QuranUrdu.com

تفہیم القرآن

المومن

(۴۰)

QuranUrdu.com

المومن

نام آیت ۲۸ کے فقرے وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ سے ماخوذ ہے، یعنی وہ سورہ جس میں اُس خاص مومن کا ذکر آیا ہے۔

زمانۂ نُزُول ابنِ عباسؓ اور جابر بن زیدؒ کا بیان ہے کہ یہ سورت سورۂ زُمَر کے بعد مُتَّصلاً نازل ہوئی ہے اور اس کا جو مقام قرآنِ مجید کی موجودہ ترتیب میں ہے وہی ترتیبِ نزول کے اعتبار سے بھی ہے۔

حالاتِ نُزُول جن حالات میں یہ سورہ نازل ہوئی ہے اُن کی طرف صاف اشارات اس کے مضمون میں موجود ہیں۔ کفارِ مکہ نے اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دو طرح کی کارروائیاں شروع کر رکھی تھیں۔ ایک، یہ کہ ہر طرف جھگڑے اور بحثیں چھیڑ کر، طرح طرح کے اُلٹے سیدھے سوالات اُٹھا کر، اور نت نئے الزامات لگا کر قرآن کی تعلیم اور اسلام کی دعوت اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اتنے شبہات اور وسوسے لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیے جائیں کہ ان کو صاف کرتے کرتے آخرِ کار حضورؐ اور اہلِ ایمان زِچ ہو جائیں۔ دوسرے، یہ کہ آپؐ کو قتل کر دینے کے لیے زمین ہموار کی جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے وہ پیہم سازشیں کر رہے تھے، اور ایک مرتبہ تو عملاً انھوں نے اس کا اقدام کر بھی ڈالا تھا۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عَمرؓو بن عاص کی رِوایت ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یکایک عُقبہ بن ابی مُعَیط آگے بڑھا اور اُس نے آپؐ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اسے بَل دینا شروع کر دیا، تاکہ گلا گھونٹ کر آپؐ کو مار ڈالے۔ مگر عین وقت پر حضرت ابوبکرؓ پہنچ گئے اور انھوں نے دھکا دے کر اسے ہٹا دیا۔ حضرت عبداللہؓ کا بیان ہے کہ جس وقت ابوبکر صدیقؓ اُس ظالم سے کشمکش کر رہے تھے اس وقت اُن کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ (کیا تم ایک شخص کو صرف اِس قصور میں مارے ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے؟) تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہ واقعہ سیرت ابنِ ہِشَام میں بھی منقول ہوا ہے اور نَسائی اور ابنِ ابی حاتم نے بھی اسے رِوایت کیا ہے۔

موضوع اور مَباحِث صورتِ حال کے اِن دونوں پہلوؤں کو آغازِ تقریر ہی میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے اور پھر آگے کی پوری تقریر انھی دونوں پر ایک انتہائی مؤثّر اور سبق آموز تبصرہ ہے۔

قتل کی سازشوں کے جواب میں مومنِ آلِ فرعون کا قصہ سنایا گیا ہے (آیات ۲۳ تا ۵۴) اور اِس قصے کے پیرایے میں تین گروہوں کو تین مختلف سبق دیے گئے ہیں:

۱- کفار کو بتایا گیا ہے کہ جو کچھ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرنا چاہتے ہو یہی کچھ اپنی طاقت کے بھروسے پر فرعون حضرتِ موسیٰؑ کے ساتھ کرنا چاہتا تھا، اب کیا یہ حرکتیں کر کے تم بھی اُسی انجام سے دوچار

QuranUrdu.com

ہونا چاہتے ہو جس سے وہ دوچار ہوا؟

۲- محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے پیروؤں کو سبق دیا گیا ہے کہ یہ ظالم بظاہر خواہ کتنے ہی بالا دست اور چیرہ دست ہوں، اور ان کے مقابلے میں تم خواہ کتنے ہی کمزور اور بے بس ہو، مگر تمھیں یقین رکھنا چاہیے کہ جس خدا کے دین کا بول بالا کرنے کے لیے تم کام کر رہے ہو اس کی طاقت ہر دوسری طاقت پر بھاری ہے۔ لہٰذا جو بڑی سے بڑی خوفناک دھمکی بھی یہ تمھیں دے سکتے ہیں، اس کے جواب میں بس خدا کی پناہ مانگ لو اور اس کے بعد بالکل بے خوف ہو کر اپنے کام میں لگ جاؤ۔ خدا پرست کے پاس ظالم کی ہر دھمکی کا بس ایک ہی جواب ہے، اور وہ ہے: اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤۡمِنُ بِیَوۡمِ الۡحِسَابِ۔ اس طرح خدا کے بھروسے پر خطرات سے بے پروا ہو کر کام کرو گے تو آخرِکار اس کی نصرت آ کر رہے گی اور آج کے فرعون بھی وہی کچھ دیکھ لیں گے جو کل کے فرعون دیکھ چکے ہیں۔ وہ وقت آنے تک ظلم و ستم کے جو طوفان بھی اُمنڈ اُمنڈ کر آئیں انھیں صبر کے ساتھ تمھیں برداشت کرنا ہی ہوگا۔

۳- اِن دو گروہوں کے علاوہ ایک تیسرا گروہ بھی معاشرے میں موجود تھا، اور وہ اُن لوگوں کا گروہ تھا جو دلوں میں جان چکے تھے کہ حق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ ہے اور کفارِ قریش سراسر زیادتی کر رہے ہیں۔ مگر یہ جان لینے کے باوجود وہ خاموشی کے ساتھ حق و باطل کی اس کشمکش کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس موقع پر اُن کے ضمیر کو جھنجوڑا ہے اور انھیں بتایا ہے کہ جب حق کے دشمن عَلانِیَہ تمھاری آنکھوں کے سامنے اتنا بڑا ظالمانہ اِقدام کرنے پر تُل گئے ہیں تو خیف ہے تم پر اگر اب بھی تم بیٹھے تماشا ہی دیکھتے رہو۔ اس حالت میں جس شخص کا ضمیر بالکل مر نہ چکا ہو اُسے تو اُٹھ کر وہ فرض انجام دینا چاہیے جو فرعون کے بھرے دربار میں اُس کے اپنے درباریوں میں سے ایک راست باز آدمی نے اُس وقت انجام دیا تھا جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنا چاہا تھا۔ جو مَصلَحتیں تمھیں زبان کھولنے سے باز رکھ رہی ہیں، یہی مصلحتیں اُس شخص کے آگے بھی راستہ روک کر کھڑی ہوئی تھیں۔ مگر اُس نے اُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ کہہ کر ان ساری مصلحتوں کو ٹھکرا دیا، اور اس کے بعد دیکھ لو کہ فرعون اُس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔

اب رہا کفار کا وہ مُجادلہ جو حق کو نیچا دکھانے کے لیے مکۂ معظّمہ میں شب و روز جاری تھا، تو اس کے جواب میں ایک طرف دلائل سے توحید اور آخرت کے اُن عقائد کا برحق ہونا ثابت کیا گیا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار کے درمیان اصل بِنائے نِزاع تھے، اور یہ حقیقت صاف کھول کر رکھ دی گئی ہے کہ یہ لوگ کسی علم اور کسی دلیل و حُجّت کے بغیر ان سچائیوں کے خلاف خواہ مخواہ جھگڑ رہے ہیں۔ دوسری طرف اُن اصل محرکات کو بے نقاب کیا گیا ہے جن کی بنا پر سردارانِ قریش اس قدر سرگرمی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ بظاہر انھوں نے یہ ڈھونگ رچا رکھا تھا کہ حضورؐ کی تعلیم اور آپؐ کے دعوائے نبوت پر انھیں حقیقی اعتراضات ہیں جن کی وجہ سے وہ ان باتوں کو نہیں مان رہے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ اُن کے لیے محض

QuranUrdu.com

ایک جنگِ اقتدار تھی۔ آیت ۵۶ میں یہ بات کسی لاگ لپیٹ کے بغیر اُن سے صاف کہہ دی گئی ہے کہ تمھارے انکار کی اصل وجہ وہ کِبْر ہے جو تمھارے دلوں میں بھرا ہوا ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ اگر لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تسلیم کر لیں گے تو تمھاری بڑائی قائم نہ رہ سکے گی۔ اسی وجہ سے تم اُن کو زَک دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہو۔

اسی سلسلے میں کفار کو پَے در پَے تنبیہات کی گئی ہیں کہ اگر اللہ کی آیات کے مقابلے میں مُجادَلہ کرنے سے باز نہ آؤ گے تو اُسی انجام سے دوچار ہو گے جس سے پچھلی قومیں دوچار ہو چکی ہیں اور اس سے بدتر انجام تمھارے لیے آخرت میں مقدّر ہے۔ اُس وقت تم پچھتاؤ گے، مگر اس وقت کا پچھتانا تمھارے لیے کچھ بھی نافع نہ ہوگا۔

QuranUrdu.com

۸۵ آیاتها

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ

۹ رکوعاتها

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۱ ج تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۙ ۲ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ
قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ
اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۳ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا

ح-م- اِس کتاب کا نُزُول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا ہے، گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحبِ فضل ہے۔ کوئی معبُود اس کے سوا نہیں، اُسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

اللہ کی آیات میں جھگڑے نہیں کرتے مگر صرف وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ہے۔ اِس کے بعد

۱- یہ تقریر کی تمہید ہے جس کے ذریعے سے سامعین کو پہلے ہی خبردار کر دیا گیا ہے کہ یہ کلام جو اُن کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے کسی معمولی ہستی کا کلام نہیں ہے، بلکہ اُس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جس کی یہ اور یہ صفات ہیں۔ پھر پے در پے اللہ تعالیٰ کی چند صفات بیان کی گئی ہیں جو آگے کے مضمون سے گہری مناسبت رکھتی ہیں:

اوّل، یہ کہ وہ ''زبردست'' ہے، یعنی سب پر غالب ہے۔ اس کا جو فیصلہ بھی کسی کے حق میں ہو، نافذ ہو کر ہی رہتا ہے۔ کوئی اس سے لڑ کر جیت نہیں سکتا، نہ اس کی گرفت سے بچ سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے فرمان سے منہ موڑ کر اگر کوئی شخص کامیابی کی توقع رکھتا ہو، اور اس کے رسول سے جھگڑا کر کے یہ اُمید رکھتا ہو کہ وہ اسے نیچا دکھا دے گا، تو یہ اس کی اپنی حماقت ہے۔ ایسی توقعات کبھی پوری نہیں ہو سکتیں۔

دوسری صفت، یہ کہ وہ ''سب کچھ جاننے والا'' ہے۔ یعنی وہ قیاس و گمان کی بنا پر کوئی بات نہیں کرتا بلکہ ہر چیز کا براہِ راست علم رکھتا ہے، اس لیے ماورائے حِسّ و اِدراک حقیقتوں کے متعلق جو معلومات وہ دے رہا ہے، صرف وہی صحیح ہو سکتی ہیں، اور ان کو نہ ماننے کے معنیٰ یہ ہیں کہ آدمی خواہ مخواہ جہالت کی پیروی کرے۔ اسی طرح وہ جانتا ہے کہ انسان کی فلاح کس چیز میں ہے اور کون سے اُصول و قوانین اور احکام اس کی بہتری کے لیے ضروری ہیں۔ اُس کی ہر تعلیم حکمت اور علمِ صحیح پر مبنی ہے جس میں غَلَطی کا امکان نہیں ہے۔ لہٰذا اُس کی ہدایات کو قبول نہ کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ آدمی خود اپنی تباہی کے راستے پر جانا چاہتا ہے۔ پھر انسانوں کی حرکات و سکنات میں سے کوئی چیز اُس سے چھپی نہیں رہ سکتی، حتّٰی کہ وہ ان نیّتوں اور ارادوں تک کو جانتا ہے

QuranUrdu.com

جوانسانی افعال کے اصل محرک ہوتے ہیں۔اس لیے انسان کسی بہانے اُس کی سزا سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔

تیسری صفت یہ کہ وہ ''گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' یہ اُمید اور ترغیب دلانے والی صفت ہے جو اِس غرض سے بیان کی گئی ہے کہ جو لوگ اب تک سرکشی کرتے رہے ہیں وہ مایوس نہ ہوں، بلکہ یہ سمجھتے ہوئے اپنی رَوِش پر نظرِ ثانی کریں کہ اگر اب بھی وہ اُس رَوِش سے باز آ جائیں تو اللہ کے دامنِ رحمت میں جگہ پا سکتے ہیں۔ اس جگہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ گناہ معاف کرنا اور توبہ قبول کرنا لازماً ایک ہی چیز کے دو عنوان نہیں ہیں، بلکہ بسا اوقات توبہ کے بغیر بھی اللہ کے ہاں گناہوں کی معافی ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً ایک شخص خطائیں بھی کرتا رہتا ہے اور نیکیاں بھی، اور اس کی نیکیاں اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہیں، خواہ اُسے ان خطاؤں پر توبہ واِستغفار کرنے کا موقع نہ ملا ہو، بلکہ وہ انھیں بھول بھی چکا ہو۔ اسی طرح ایک شخص پر دنیا میں جتنی بھی تکلیفیں اور مصیبتیں اور بیماریاں اور طرح طرح کی رنج وغم پہنچانے والی آفات آتی ہیں، وہ سب اس کی خطاؤں کا بدل بن جاتی ہیں۔ اسی بنا پر گناہوں کی معافی کا ذکر توبہ قبول کرنے سے الگ کیا گیا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ توبہ کے بغیر خطا بخشی کی یہ رِعایت صرف اہلِ ایمان کے لیے ہے اور اہلِ ایمان میں بھی صرف اُن کے لیے جو سرکشی و بغاوت کے ہر جذبے سے خالی ہوں اور جن سے گناہوں کا صُدور بَشَری کمزوری کی وجہ سے ہوا ہو، نہ کہ اِستِکبار اور مَعصِیَت پر اصرار کی بنا پر۔

چوتھی صفت، یہ کہ وہ ''سخت سزا دینے والا'' ہے۔ اس صفت کا ذکر کر کے لوگوں کو مُتَنَبِّہ کیا گیا ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ جتنا رحیم ہے، بغاوت وسرکشی کا رَوِیّہ اختیار کرنے والوں کے لیے اتنا ہی سخت ہے۔ جب کوئی شخص یا گروہ اُن تمام حدوں سے گزر جاتا ہے جہاں تک وہ اُس کے درگزر اور اُس کی خطا بخشی کا مستحق ہو سکتا ہے، تو پھر وہ اس کی سزا کا مستحق بنتا ہے، اور اس کی سزا ایسی ہولناک ہے کہ صرف ایک احمق انسان ہی اس کو قابلِ برداشت سمجھ سکتا ہے۔

پانچویں صفت، یہ کہ وہ ''صاحبِ فضل'' ہے، یعنی کشادہ دست، غنی اور فیّاض ہے۔ تمام مخلوقات پر اس کی نعمتوں اور اس کے احسانات کی ہمہ گیر بارش ہر آن ہو رہی ہے۔ بندوں کو جو کچھ بھی مل رہا ہے اُسی کے فضل وکرم سے مل رہا ہے۔

ان پانچ صفات کے بعد دو حقیقتیں واشگاف طریقے سے بیان کر دی گئی ہیں: ایک، یہ کہ معبُود فی الحقیقت اُس کے سوا کوئی نہیں ہے، خواہ لوگوں نے کتنے ہی دوسرے جھوٹے معبود بنا رکھے ہوں۔ دوسری، یہ کہ جانا سب کو آخرِ کار اسی کی طرف ہے۔ کوئی دوسرا معبُود لوگوں کے اعمال کا حساب لینے والا اور ان کی جزا وسزا کا فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو چھوڑ کر اگر کوئی دوسروں کو معبُود بنائے گا تو اپنی اس حماقت کا خمیازہ خود بھگتے گا۔

۲ – جھگڑا کرنے سے مراد ہے: کج بحثیاں کرنا۔ مین میخ نکالنا۔ اُلٹے سیدھے اعتراضات جڑنا۔ سیاق وسباق سے الگ کر کے کوئی ایک لفظ یا فقرہ لے اُڑنا اور اُس سے طرح طرح کے نکتے پیدا کر کے شبہات والزامات کی عمارتیں کھڑی کرنا۔ کلام کے اصل مدّعا کو نظر انداز کر کے اس کو غلط معنٰی پہنانا تاکہ آدمی نہ خود بات کو سمجھے نہ دوسروں کو سمجھنے دے۔ یہ طرزِ اختلاف لازماً صرف وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کا اختلاف بدنیتی پر مبنی ہوتا ہے۔ نیک نیت مخالف اگر بحث کرتا بھی ہے تو تحقیق کی غَرَض سے کرتا ہے اور اصل مسائلِ زیرِ بحث پر گفتگو کر کے یہ اطمینان کرنا چاہتا ہے کہ ان مسائل میں اس کا اپنا نقطۂ نظر دُرست ہے یا فریقِ مخالف کا۔ اس قسم کی بحث حق معلوم کرنے کے لیے ہوتی ہے نہ کہ کسی کو نیچا دکھانے کے لیے۔ بخلاف اس کے بدنیت مخالف کا اصل مقصد سمجھنا اور سمجھانا نہیں ہوتا بلکہ وہ فریقِ ثانی

QuranUrdu.com

يَغُرُّكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿٤﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْأَحْزَابُ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍۭ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَٰدَلُوا
بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٥﴾ وَ

وقف لازم
وقف النبی
صلی اللہ علیہ وسلم

كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّهُمْ أَصْحَٰبُ النَّارِ ﴿٦﴾

دنیا کے ملکوں میں اُن کی چَلَت پِھرَت تمھیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے[۴]۔ اِن سے پہلے نوحؑ کی قوم بھی جُھٹلا چکی ہے، اور اُس کے بعد بہت سے دوسرے جَتّھوں نے بھی یہ کام کیا ہے۔ ہر قوم اپنے رسول پر جھپٹی تاکہ اُسے گرفتار کرے۔ اُن سب نے باطل کے ہتھیاروں سے حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ مگر آخرِکار میں نے ان کو پکڑ لیا، پھر دیکھ لو کہ میری سزا کیسی سخت تھی۔ اِسی طرح تیرے رب کا یہ فیصلہ بھی اُن سب لوگوں پر چسپاں ہو چکا ہے جو کفر کے مرتکب ہوئے ہیں کہ وہ واصل بجہنّم ہونے والے ہیں[۵]۔

کو زَک دینا اور زِچ کرنا چاہتا ہے اور بحث کے میدان میں اس لیے اُترتا ہے کہ دوسرے کی بات کسی طرح چلنے نہیں دینی ہے۔ اسی وجہ سے وہ کبھی اصل مسائل کا سامنا نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ اطراف ہی میں چھاپے مارتا رہتا ہے۔

۳- ''کفر'' کا لفظ یہاں دو معنوں میں استعمال ہوا ہے: ایک، کفرانِ نعمت۔ دوسرے، انکارِ حق۔ پہلے معنیٰ کے لحاظ سے اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی آیات کے مقابلے میں یہ طرزِ عمل صرف وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جو اس کے احسانات کو بھول گئے ہیں اور جنھیں یہ احساس نہیں رہا ہے کہ اُسی کی نعمتیں ہیں جن کے بَل پر وہ پَل رہے ہیں۔ دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ یہ طرزِ عمل صرف وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جنھوں نے حق سے منہ موڑ لیا ہے اور اسے نہ ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ سیاق وسباق کو نگاہ میں رکھنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں کفر کرنے والے سے مراد ہر وہ شخص نہیں ہے جو مسلمان نہ ہو۔ اس لیے کہ جو غیر مسلم اسلام کو سمجھنے کی غَرَض سے نیک نیتی کے ساتھ بحث کرے اور تحقیق کی غرض سے وہ باتیں سمجھنے کی کوشش کرے جن کے سمجھنے میں اسے زحمت پیش آ رہی ہو، اگرچہ اسلام قبول کرنے سے پہلے تک اِصْطِلاحًا ہوتا وہ بھی کافر ہی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اُس پر وہ بات راست نہیں آتی جس کی اِس آیت میں مَذَمَّت کی گئی ہے۔

۴- پہلے فقرے اور دوسرے فقرے کے درمیان ایک خلا ہے جسے ذہنِ سامع پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ فَحوائے کلام سے یہ بات خود بخود مُتَرَشِّح ہوتی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی آیات کے مقابلے میں جو لوگ جھگڑالُو پَن کا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں، وہ سزا سے کبھی بچ نہیں سکتے۔ لامحالہ ایک نہ ایک روز ان کی شامت آنی ہے۔ اب اگر تم دیکھ رہے ہو کہ وہ لوگ یہ سب کچھ کر کے بھی خدا کی زمین میں اطمینان سے دندناتے پھر رہے ہیں، اور اُن کے کاروبار خوب چمک رہے ہیں، اور ان کی حکومتیں بڑی شان سے

QuranUrdu.com

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ
یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ

عرشِ الٰہی کے حامل فرشتے، اور وہ جو عرش کے گرد و پیش حاضر رہتے ہیں، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دُعائے مغفرت کرتے ہیں[۶]۔ وہ کہتے ہیں: "اے ہمارے رب! تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر

چل رہی ہیں، اور وہ خوب دادِ عیش دے رہے ہیں، تو اِس دھوکے میں نہ پڑ جاؤ کہ وہ خدا کی پکڑ سے بچ نکلے ہیں، یا خدا کی آیات سے جنگ کوئی کھیل ہے جسے تفریح کے طور پر کھیلا جا سکتا ہے اور اس کا کوئی بُرا نتیجہ اس کھیل کے کھلاڑیوں کو کبھی نہ دیکھنا پڑے گا۔ یہ تو دراصل ایک مُہلت ہے جو خدا کی طرف سے ان کو مل رہی ہے۔ اس مُہلت سے غلط فائدہ اُٹھا کر جو لوگ جس قدر زیادہ شرارتیں کرتے ہیں ان کی کشتی اسی قدر زیادہ بھر کر ڈوبتی ہے۔

۵ – یعنی دنیا میں جو عذاب اُن پر آیا وہ ان کی آخری سزا نہ تھی بلکہ اللہ نے یہ فیصلہ بھی ان کے حق میں کر دیا ہے کہ ان کو واصل بجہنّم ہونا ہے۔ ایک دوسرا مطلب اِس آیت کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح پچھلی قوموں کی شامت آ چکی ہے اسی طرح اب جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے حق میں بھی اللہ کا یہ فیصلہ طے شدہ ہے کہ وہ واصل بجہنّم ہونے والے ہیں۔

۶ – یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی تسلی کے لیے ارشاد ہوئی ہے۔ وہ اُس وقت کفارِ مکہ کی زبان درازیاں اور چیرہ دستیاں، اور ان کے مقابلے میں اپنی بے بسی دیکھ دیکھ کر سخت دل شکستہ ہو رہے تھے۔ اس پر فرمایا گیا کہ اِن گھٹیا اور رذیل لوگوں کی باتوں پر تم رنجیدہ کیوں ہوتے ہو، تمھارا مرتبہ تو وہ ہے کہ عرشِ الٰہی کے حامل فرشتے اور عرش کے گرد و پیش حاضر رہنے والے ملائکہ تک تمھارے حامی ہیں اور تمھارے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور سِفارشیں کر رہے ہیں۔ عام فرشتوں کے بجائے عرشِ الٰہی کے حامل اور اس کے گرد و پیش حاضر رہنے والے فرشتوں کا ذکر یہ تصور دلانے کے لیے کیا گیا ہے کہ سلطنتِ خداوندی کے عام اہل کار تو درکنار، وہ ملائکۂ مُقرّبین بھی جو اِس سلطنت کے ستون ہیں اور جنھیں فرماں روائے کائنات کے ہاں قرب کا مقام حاصل ہے، تمھارے ساتھ گہری دلچسپی و ہمدردی رکھتے ہیں۔ پھر یہ جو فرمایا گیا کہ یہ ملائکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان کا رشتہ ہی وہ اصل رشتہ ہے جس نے عرشیوں اور فرشیوں کو ملا کر ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے، اور اسی تعلق کی وجہ سے عرش کے قریب رہنے والے فرشتوں کو زمین پر بسنے والے اُن خاکی انسانوں سے دلچسپی پیدا ہوئی ہے جو انھی کی طرح اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ فرشتوں کے اللہ پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کفر کر سکتے تھے، مگر انھوں نے اسے چھوڑ کر ایمان اختیار کیا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا اقتدار مانتے ہیں کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں ہے جو انھیں حکم دینے والی ہو اور وہ اُس کے آگے سرِ اطاعت جھکاتے ہوں۔ یہی مسلک جب ایمان لانے والے انسانوں نے بھی اختیار کر لیا تو اتنے بڑے اختلافِ جنس اور بُعدِ مقام کے باوجود اُن کے اور فرشتوں کے درمیان ہم مَشْرَبی کا مضبوط تعلق قائم ہو گیا۔

QuranUrdu.com

رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ
الْجَحِيْمِ ۝۷ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ
مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸

چیز پر چھایا ہوا ہے[۷]، پس معاف کر دے اور عذابِ دوزخ سے بچا لے[۸] اُن لوگوں کو جنھوں نے توبہ کی ہے اور تیرا راستہ اختیار کر لیا ہے[۹]۔ اے ہمارے رب! اور داخل کر اُن کو ہمیشہ رہنے والی اُن جنّتوں میں جن کا تُو نے اُن سے وعدہ کیا ہے[۱۰]، اور اُن کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو صالح ہوں (اُن کو بھی وہاں اُن کے ساتھ ہی پہنچا دے[۱۱])۔ تُو بلاشبہ قادرِ مطلق اور حکیم ہے۔

۷ – یعنی اپنے بندوں کی کمزوریاں اور لغزشیں اور خطائیں تجھ سے چھُپی ہوئی نہیں ہیں، بے شک تُو سب کچھ جانتا ہے، مگر تیرے علم کی طرح تیرا دامنِ رحمت بھی تو وسیع ہے، اس لیے ان کی خطاؤں کو جاننے کے باوجود اِن غریبوں کو بخش دے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بر بِنائے رحمت اُن سب لوگوں کو بخش دے جن کو بر بنائے علم تو جانتا ہے کہ انھوں نے سچّے دل سے توبہ کی ہے اور فی الواقع تیرا راستہ اختیار کر لیا ہے۔

۸ – معاف کرنا اور عذابِ دوزخ سے بچا لینا اگرچہ صریحاً لازم و ملزوم ہیں اور ایک بات کا ذکر کر دینے کے بعد دوسری بات کہنے کی بظاہر کوئی حاجت نہیں رہتی، لیکن اس طرزِ بیان سے دراصل اہلِ ایمان کے ساتھ فرشتوں کی گہری دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ قاعدے کی بات ہے کہ کسی معاملے میں جس شخص کے دل کو لگی ہوئی ہوتی ہے وہ جب حاکم سے گزارش کرنے کا موقع پا لیتا ہے تو پھر وہ اِلحاح کے ساتھ ایک ہی درخواست کو بار بار طرح طرح سے پیش کرتا ہے اور ایک بات بس ایک دفعہ عرض کر کے اس کی تسلی نہیں ہوتی۔

۹ – یعنی نافرمانی چھوڑ دی ہے، سرکشی سے باز آ گئے ہیں، اور فرماں برداری اختیار کر کے زندگی کے اُس راستے پر چلنے لگے ہیں جو تُو نے خود بتایا ہے۔

۱۰ – اس میں بھی وہی اِلحاح کی کیفیت پائی جاتی ہے جس کی طرف اُوپر حاشیہ نمبر ۸ میں ہم نے اشارہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ معاف کرنا اور دوزخ سے بچا لینا آپ سے آپ جنت میں داخل کرنے کو مُستَلزِم ہے، اور پھر جس جنت کا اللہ نے خود مومنین سے وعدہ کیا ہے، بظاہر اُسی کے لیے مومنین کے حق میں دعا کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے، لیکن اہلِ ایمان کے لیے فرشتوں کے دل میں جذبۂ خیر خواہی کا اتنا جوش ہے کہ وہ اپنی طرف سے ان کے حق میں کلمۂ خیر کہتے ہی چلے جاتے ہیں حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سب مہربانیاں اُن کے ساتھ کرنے والا ہے۔

۱۱ – یعنی اُن کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے اُن کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد کو بھی ان کے ساتھ جمع کر دے۔

QuranUrdu.com

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ ع اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ
اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ
فَتَكْفُرُوْنَ ۝۱۰ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ

ع ۹ ۲

اور بچا دے اُن کو بُرائیوں سے[۱۲]۔ جس کو تُو نے قیامت کے دن بُرائیوں[۱۳] سے بچا دیا، اُس پر تُو نے بڑا رحم کیا، یہی بڑی کامیابی ہے۔'' ع

جن لوگوں نے کفر کیا ہے، قیامت کے روز اُن کو پکار کر کہا جائے گا: ''آج تمھیں جتنا شدید غصّہ اپنے اُوپر آ رہا ہے، اللہ تم پر اُس سے زیادہ غضب ناک اُس وقت ہوتا تھا جب تمھیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم کفر کرتے تھے[۱۴]۔'' وہ کہیں گے: ''اے ہمارے رب! تُو نے واقعی ہمیں دو دفعہ موت اور دو دفعہ زندگی دے دی[۱۵]،

یہ وہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود بھی اُن نعمتوں کے سلسلے میں بیان فرمائی ہے جو جنت میں اہلِ ایمان کو دی جائیں گی۔ مُلاحظہ ہو: سورۂ رَعْد، آیت ۲۳، اور سورۂ طور، آیت ۲۱۔ سورۂ طور والی آیت میں یہ تصریح بھی ہے کہ اگر ایک شخص جنت میں بلند درجے کا مستحق ہو اور اس کے والدین اور بال بچے اُس مرتبے کے مستحق نہ ہوں تو اس کو نیچے لا کر ان کے ساتھ ملانے کے بجائے اللہ تعالیٰ اُن کو اُٹھا کر اُس کے درجے میں لے جائے گا۔

۱۲ - ''سیّئات'' (برائیوں) کا لفظ تین مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور تینوں ہی یہاں مراد ہیں۔ ایک، غلط عقائد اور بگڑے ہوئے اَخلاق اور بُرے اعمال۔ دوسرے، گمراہی اور اعمالِ بد کا وبال۔ تیسرے، آفات اور مصائب اور اذیتیں خواہ وہ اِس دُنیا کی ہوں، یا عالَمِ بَرزَخ کی، یا روزِ قیامت کی۔ فرشتوں کی دُعا کا مقصود یہ ہے کہ اِن کو ہر اُس چیز سے بچا جو اِن کے حق میں بُری ہو۔

۱۳ - روزِ قیامت کی بُرائیوں سے مراد میدانِ حشر کا ہَول، سایے اور ہر قسم کی آسایشوں سے محرومی، محاسبے کی سختی، تمام خلائق کے سامنے زندگی کے راز فاش ہونے کی رسوائی، اور دوسری وہ تمام ذلتیں اور سختیاں ہیں جن سے وہاں مجرمین کو سابقہ پیش آنے والا ہے۔

۱۴ - یعنی کفار جب قیامت کے روز دیکھیں گے کہ انھوں نے دنیا میں شرک و دہریّت، انکارِ آخرت اور رسولوں کی مخالفت پر اپنے پورے کارنامۂ حیات کی بنیاد رکھ کر کتنی بڑی حماقت کی ہے، اور اس حماقت کی بدولت اب وہ کس انجامِ بد سے دوچار ہوئے ہیں، تو وہ اپنی انگلیاں چبائیں گے اور جُھنجلا جُھنجلا کر اپنے آپ کو خود کوسنے لگیں گے۔ اُس وقت فرشتے ان سے پکار کر

QuranUrdu.com

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ
اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ
فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ
مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ فَادْعُوا

اب ہم اپنے قصُوروں کا اعتراف کرتے ہیں[۱۶]، کیا اب یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی سبیل[۱۷] ہے؟''
(جواب ملے گا:) ''یہ حالت جس میں تم مبتلا ہو، اِس وجہ سے ہے کہ جب اکیلے اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم ماننے سے انکار کر دیتے تھے، اور جب اُس کے ساتھ دوسروں کو ملایا جاتا تو تم مان لیتے تھے۔ اب فیصلہ اللہ بزرگ و برتر کے ہاتھ ہے[۱۸]۔''

وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے[۱۹] اور آسمان سے تمھارے لیے رزق نازل کرتا ہے[۲۰] مگر (اِن نشانیوں کے مشاہدے سے) سبق صرف وہی شخص لیتا ہے جو اللہ کی طرف رُجوع کرنے والا ہو[۲۱]۔ (پس اے رجوع

کہیں گے کہ آج تو تمھیں اپنے اُوپر بڑا غصہ آ رہا ہے، مگر کل جب تمھیں اس انجام سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے انبیا اور دوسرے نیک لوگ راہِ راست کی طرف دعوت دیتے تھے اور تم اُن کی دعوت کو ٹھکراتے تھے اُس وقت اللہ تعالیٰ کا غضب اس سے زیادہ تم پر بھڑکتا تھا۔

۱۵ - دو دفعہ موت اور دو دفعہ زندگی سے مراد وہی چیز ہے جس کا ذکر سورۂ بقرہ، آیت ۲۸ میں کیا گیا ہے کہ تم خدا کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو جب کہ تم بے جان تھے، اُس نے تمھیں زندگی بخشی، پھر وہ تمھیں موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کر دے گا۔ کفار ان میں سے پہلی تین حالتوں کا تو انکار نہیں کرتے، کیونکہ وہ مشاہَدے میں آتی ہیں اور اس بنا پر ناقابلِ انکار ہیں۔ مگر آخری حالت پیش آنے کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کے مشاہدے میں ابھی تک نہیں آئی ہے اور صرف انبیا علیہم السلام ہی نے اس کی خبر دی ہے۔ قیامت کے روز جب عَمَلاً وہ چوتھی حالت بھی مشاہَدے میں آجائے گی تب یہ لوگ اقرار کریں گے کہ واقعی وہی کچھ پیش آ گیا جس کی ہمیں خبر دی گئی تھی۔

۱۶ - یعنی ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس دوسری زندگی کا انکار کر کے ہم نے سخت غَلَطی کی اور اس غلط نظریّے پر کام کر کے ہماری زندگی گناہوں سے لبریز ہوگئی۔

۱۷ - یعنی کیا اب اس کا کوئی امکان ہے کہ ہمارے اعترافِ گناہ کو قُبول کر کے ہمیں عذاب کی اس حالت سے نکال دیا

QuranUrdu.com

اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِيْعُ
الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ

کرنے والو!) اللہ ہی کو پکارو اپنے دین کو اُس کے لیے خالص کر[۲۲] کے، خواہ تمھارا یہ فعل کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

وہ بلند درجوں والا[۲۳]، مالکِ عرش ہے۔[۲۴] اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے رُوح

جائے جس میں ہم مبتلا ہو گئے ہیں۔

۱۸ – یعنی فیصلہ اب اُسی اکیلے خدا کے ہاتھ میں ہے جس کی خدائی پر تم راضی نہ تھے، اور اُن دُوسروں کا فیصلے میں کوئی دخل نہیں ہے جنھیں خدائی کے اختیارات میں حصّہ دار قرار دینے پر تمھیں بڑا اصرار تھا۔ (اس مقام کو سمجھنے کے لیے سورۂ زُمَر، آیت ۴۵ اور اس کا حاشیہ ۶۴ بھی نگاہ میں رہنا چاہیے۔) اس فقرے میں آپ سے آپ یہ مفہُوم بھی شامل ہے کہ اب اِس عذاب کی حالت سے تمھارے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں ہے، کیونکہ تم نے صرف آخرت ہی کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ اپنے خالق و پروردگار سے تم کو چِڑ تھی اور اُس کے ساتھ دوسروں کو ملائے بغیر تمھیں چین نہ آتا تھا۔

۱۹ – نشانیوں سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو اس بات کا پتا دیتی ہیں کہ اس کائنات کا صانع اور مُدبِّر و منتظم ایک خدا اور ایک ہی خدا ہے۔

۲۰ – رزق سے مراد یہاں بارش ہے۔ کیونکہ انسان کو جتنی اقسام کے رزق بھی دنیا میں ملتے ہیں اُن سب کا مدار آخرِ کار بارش پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بے شمار نشانیوں میں سے تنہا اِس ایک نشانی کو پیش کر کے لوگوں کو توجہ دلاتا ہے کہ صرف اِسی ایک چیز کے انتظام پر تم غور کرو تو تمھاری سمجھ میں آ جائے کہ نظامِ کائنات کے متعلق جو تصور تم کو قرآن میں دیا جا رہا ہے وہی حقیقت ہے۔ یہ انتظام صرف اُسی صورت میں قائم ہو سکتا تھا جب کہ زمین اور اس کی مخلوقات اور پانی اور ہوا اور سورج اور حرارت و بُرودَت سب کا خالق ایک ہی خدا ہو۔ اور یہ انتظام صرف اسی صورت میں لاکھوں کروڑوں برس تک پیہم ایک باقاعدگی سے چل سکتا ہے جب کہ وہی اَزَلی و اَبَدی خدا اس کو جاری رکھے۔ اور اس انتظام کو قائم کرنے والا لازماً ایک حکیم و رحیم پروردگار ہی ہو سکتا ہے جس نے زمین میں انسان اور حیوانات اور نباتات کو جب پیدا کیا تو ٹھیک ٹھیک ان کی ضروریات کے مطابق پانی بھی بنایا اور پھر اس پانی کو باقاعدگی کے ساتھ رُوئے زمین پر پہنچانے اور پھیلانے کے لیے یہ حیرت انگیز انتظامات کیے۔ اب اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جو یہ سب کچھ دیکھ کر بھی خدا کا انکار کرے، یا اُس کے ساتھ کچھ دوسری ہستیوں کو بھی خدائی میں شریک ٹھیرائے۔

۲۱ – یعنی خدا سے پھرا ہوا آدمی، جس کی عقل پر غفلت یا تعصُّب کا پردہ پڑا ہوا ہو، کسی چیز کو دیکھ کر بھی کوئی سبق نہیں لے سکتا۔ اس کی حیوانی آنکھیں یہ تو دیکھ لیں گی کہ ہوائیں چلیں، بادل آئے، کڑک چمک ہوئی، اور بارش ہو گئی۔ مگر اس کا انسانی دماغ کبھی یہ نہ سوچے گا کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے، کون کر رہا ہے اور مجھ پر اس کے کیا حُقوق ہیں۔

QuranUrdu.com

مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا
يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ
الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ

نازل کر دیتا ہے[۲۵]، تاکہ وہ ملاقات کے دن[۲۶] سے خبردار کر دے۔ وہ دن جب کہ سب لوگ بے پردہ ہوں گے، اللہ سے ان کی کوئی بات بھی چُھپی ہوئی نہ ہوگی۔ (اُس روز پکار کر پوچھا جائے گا:) آج بادشاہی کس کی ہے[۲۷]؟ (سارا عالَم پکار اُٹھے گا:) اللہ واحد قہّار کی۔ (کہا جائے گا:) آج ہر متنفّس کو اُس کمائی کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کی تھی۔

۲۲ – دین کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی وضاحت سورۂ زُمَر حاشیہ نمبر ۳ میں کی جا چکی ہے۔

۲۳ – یعنی تمام موجودات سے اُس کا مقام بدرجہا بلند ہے۔ کوئی ہستی بھی جو اس کائنات میں موجود ہے، خواہ وہ کوئی فرشتہ ہو یا نبی یا ولی، یا اور کوئی مخلوق، اس کا مقام دوسری مخلوقات کے مقابلے میں چاہے کتنا ہی ارفع و اشرف ہو، مگر اللہ تعالیٰ کے بلند ترین مقام سے اس کے قریب ہونے تک کا تصور نہیں کیا جا سکتا، کجا کہ خدائی صفات و اختیارات میں اس کے شریک ہونے کا گمان کیا جا سکے۔

۲۴ – یعنی ساری کائنات کا بادشاہ و فرماں روا ہے۔ کائنات کے تختِ سلطنت کا مالک ہے۔ (تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: جلد دوم، الاعراف، حاشیہ ۴۱، یونُس، حاشیہ ۴، الرعد، حاشیہ ۳۔ جلد سوم، طٰہٰ، حاشیہ ۲)

۲۵ – روح سے مراد وحی اور نبوت ہے۔ (تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: جلد دوم، النحل، حاشیہ ۲، بنی اسرائیل، حاشیہ ۱۰۳) اور یہ ارشاد کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے یہ روح نازل کرتا ہے، اس معنی میں ہے کہ اللہ کے فضل پر کسی کا اِجارہ نہیں ہے۔ جس طرح کوئی شخص یہ اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتا کہ فُلاں شخص کو حُسن کیوں دیا گیا اور فلاں شخص کو حافظہ یا ذہانت کی غیر معمولی قوت کیوں عطا کی گئی، اسی طرح کسی کو یہ اعتراض کرنے کا بھی حق نہیں ہے کہ منصبِ نبوت کے لیے فلاں شخص ہی کو کیوں چُنا گیا اور جسے ہم چاہتے تھے اسے کیوں نہ نبی بنایا گیا۔

۲۶ – یعنی جس روز تمام انسان اور جنّ اور شیاطین بیک وقت اپنے رب کے سامنے جمع ہوں گے اور ان کے اعمال کے سارے گواہ بھی حاضر ہوں گے۔

۲۷ – یعنی دنیا میں تو بہت سے برخود غلط لوگ اپنی بادشاہی و جبّاری کے ڈنکے پیٹتے رہے، اور بہت سے احمق ان کی بادشاہیاں اور کبریائیاں مانتے رہے، اب بتاؤ کہ بادشاہی فی الواقع کس کی ہے؟ اختیارات کا اصل مالک کون ہے؟ اور حکم کس کا چلتا ہے؟ یہ ایسا مضمون ہے جسے اگر کوئی شخص گوشِ ہوش سے سنے تو خواہ وہ کتنا ہی بڑا بادشاہ یا آمرِ مُطلَق بنا بیٹھا ہو، اُس کا زہرہ آب ہو جائے اور ساری جَبّارِیّت کی ہَوا اُس کے دماغ سے نکل جائے۔ اس موقع پر تاریخ کا یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ سامانی خاندان کا

QuranUrdu.com

لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ
الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۭ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ

آج کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔[۲۸] اور اللہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔[۲۹] اَے نبیؐ! ڈرا دو اِن لوگوں کو اُس دن سے جو قریب آ لگا ہے۔[۳۰] جب کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے اور لوگ چُپ چاپ غم کے گھونٹ پیے کھڑے ہوں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی مشفق دوست ہوگا[۳۱] اور نہ کوئی شفیع جس کی بات مانی جائے۔[۳۲] اللہ نگاہوں کی چوری تک سے واقف ہے،

فرماں روا نَصْر بن احمد (۳۰۱-۳۳۱ھ) جب نَیشاپُور میں داخل ہوا تو اس نے ایک دربار منعقد کیا اور تخت پر بیٹھنے کے بعد فرمایش کی کہ کارروائی کا افتتاح قرآنِ مجید کی تلاوت سے ہو۔ یہ سُن کر ایک بزرگ آگے بڑھے اور انھوں نے یہی رُکوع تلاوت کیا۔ جس وقت وہ اس آیت پر پہنچے تو نَصْر پر ہیبت طاری ہوگئی۔ لرزتا ہوا تخت سے اُترا، تاج سر سے اُتار کر سجدے میں گر گیا اور بولا: اے رب! بادشاہی تیری ہی ہے نہ کہ میری۔

۲۸ - یعنی کسی نوعیت کا ظلم بھی نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ جزا کے معاملے میں ظلم کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک، یہ کہ آدمی اجر کا مستحق ہو اور وہ اس کو نہ دیا جائے۔ دوسرے، یہ کہ وہ جتنے اجر کا مستحق ہو اُس سے کم دیا جائے۔ تیسرے، یہ کہ وہ سزا کا مستحق نہ ہو مگر اسے سزا دے ڈالی جائے۔ چوتھے، یہ کہ جو سزا کا مستحق ہو اسے سزا نہ دی جائے۔ پانچویں، یہ کہ جو کم سزا کا مستحق ہو اسے زیادہ سزا دے دی جائے۔ چھٹے، یہ کہ مظلوم منہ دیکھتا رہ جائے اور ظالم اس کی آنکھوں کے سامنے صاف بَری ہو کر نکل جائے۔ ساتویں، یہ کہ ایک کے گناہ میں دوسرا پکڑ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا منشا یہ ہے کہ ان تمام نوعیّتوں میں سے کسی نوعیت کا ظلم بھی اس کی عدالت میں نہ ہونے پائے گا۔

۲۹ - مطلب یہ ہے کہ اللہ کو حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ وہ جس طرح کائنات کی ہر مخلوق کو بیک وقت رزق دے رہا ہے اور کسی کی رزق رسانی کے انتظام میں اُس کو ایسی مشغولیت نہیں ہوتی کہ دوسروں کو رزق دینے کی اسے فرصت نہ ملے، وہ جس طرح کائنات کی ہر چیز کو بیک وقت دیکھ رہا ہے، ساری آوازوں کو بیک وقت سُن رہا ہے، تمام چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے معاملات کی بیک وقت تدبیر کر رہا ہے، اور کوئی چیز اس کی توجّہ کو اس طرح جذب نہیں کر لیتی کہ اُسی وقت وہ دوسری چیزوں کی طرف توجہ نہ کر سکے، اُسی طرح وہ ہر ہر فرد کا بیک وقت محاسبہ بھی کر لے گا اور ایک مُقدّمے کی سَماعت کرنے میں اُسے ایسی مشغولیت لاحق نہ ہوگی کہ اُسی وقت دوسرے بے شمار مقدّمات کی سَماعت نہ کر سکے۔ پھر اس کی عدالت میں اس بنا پر بھی کوئی تاخیر نہ ہوگی کہ واقعاتِ مقدّمہ کی تحقیق اور اس کے لیے شہادتیں فراہم ہونے میں وہاں کوئی مشکل پیش آئے۔ حاکمِ عدالت براہِ راست خود تمام حقائق سے واقف ہوگا۔ ہر فریقِ مقدّمہ اس کے سامنے بالکل بے نقاب ہوگا۔ اور واقعات

QuranUrdu.com

وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٢٠﴾ ع اَوَلَمْ
يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا
مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ

اور وہ راز تک جانتا ہے جو سینوں نے چُھپا رکھے ہیں۔ اور اللہ ٹھیک ٹھیک بے لاگ فیصلہ کرے گا۔ رہے وہ جن کو (یہ مشرکین) اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ کرنے والے نہیں ہیں۔ بلاشبہ اللہ ہی سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔[۳۳] ع

کیا یہ لوگ کبھی زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ انھیں اُن لوگوں کا انجام نظر آتا جو اِن سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ اِن سے زیادہ طاقت ور تھے، اور ان سے زیادہ زبردست آثار زمین میں چھوڑ گئے ہیں۔

کی کُھلی کُھلی ناقابلِ انکار شہادتیں چھوٹی سے چھوٹی جزئی تفصیلات تک کے ساتھ بلا تاخیر پیش ہو جائیں گی۔ اس لیے ہر مقدّمے کا فیصلہ جھٹ پٹ ہو جائے گا۔

۳۰ - قرآنِ مجید میں لوگوں کو بار بار یہ احساس دلایا گیا ہے کہ قیامت اُن سے کچھ دُور نہیں ہے بلکہ قریب ہی لگی کھڑی ہے اور ہر لمحہ آ سکتی ہے۔ کہیں فرمایا: اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (النحل:۱) کہیں ارشاد ہوا: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (الانبیاء:۱) کہیں مُتنبّہ کیا گیا: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر:۱) کہیں فرمایا گیا: اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۙ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ (النجم: ۵۷-۵۸) ان ساری باتوں سے مقصود لوگوں کو مُتنبّہ کرنا ہے کہ قیامت کو دور کی چیز سمجھ کر بے خوف نہ رہیں اور سنبھلنا ہے تو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر سنبھل جائیں۔

۳۱ - اصل میں لفظ حَمِیْم استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد کسی شخص کا ایسا دوست ہے جو اُس کو پٹتے دیکھ کر جوش میں آئے اور اسے بچانے کے لیے دَوڑے۔

۳۲ - یہ بات بر سبیلِ تنزُّل، کفار کے عقیدۂ شفاعت کی تردید کرتے ہوئے فرمائی گئی ہے۔ حقیقت میں تو وہاں ظالموں کا کوئی شفیع سرے سے ہوگا ہی نہیں، کیونکہ شفاعت کی اجازت اگر مل بھی سکتی ہے تو اللہ کے نیک بندوں کو مل سکتی ہے، اور اللہ کے نیک بندے کبھی کافروں اور مشرکوں اور فُسّاق و فُجّار کے دوست نہیں ہو سکتے کہ وہ انھیں بچانے کے لیے سِفارش کا خیال بھی کریں۔ لیکن چونکہ کفار و مشرکین اور گمراہ لوگوں کا بالعُموم یہ عقیدہ رہا ہے اور آج بھی ہے کہ ہم جن بزرگوں کے دامن گرفتہ ہیں وہ کبھی ہمیں دوزخ میں نہ جانے دیں گے بلکہ اَڑ کر کھڑے ہو جائیں گے اور بخشوا کر ہی چھوڑیں گے اس لیے فرمایا گیا کہ وہاں ایسا شفیع کوئی بھی

QuranUrdu.com

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ
اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى
بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ لا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ

مگر اللہ نے ان کے گناہوں پر انھیں پکڑ لیا اور اُن کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ یہ ان کا انجام اس لیے ہوا کہ ان کے پاس اُن کے رسول بَیِّنات[۳۴] لے کر آئے اور انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ آخر کار اللہ نے اُن کو پکڑ لیا، یقیناً وہ بڑی قوت والا اور سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

ہم نے موسیٰؑ[۳۵] کو فرعون اور ہامان[۳۶] اور قارون کی طرف اپنی نشانیوں اور نمایاں سندِ ماموریت[۳۷] کے ساتھ

نہ ہوگا جس کی بات مانی جائے اور جس کی سِفارش اللہ کو لازماً قبول ہی کرنی پڑے۔

۳۳- یعنی تمھارے معبُودوں کی طرح وہ کوئی اندھا بہرا خدا نہیں ہے جسے کچھ پتا نہ ہو کہ جس آدمی کے معاملے کا وہ فیصلہ کر رہا ہے اس کے کیا کرتُوت تھے۔

۳۴- بَیِّنات سے مراد تین چیزیں ہیں: ایک، ایسی نمایاں علامات اور نشانیاں جو اُن کے مامور من اللہ ہونے پر شاہد تھیں۔ دوسرے، ایسی روشن دلیلیں جو ان کی پیش کردہ تعلیم کے حق ہونے کا ثبوت دے رہی تھیں۔ تیسرے، زندگی کے مسائل و معاملات کے متعلق ایسی واضح ہدایات جنھیں دیکھ کر ہر معقول آدمی یہ جان سکتا تھا کہ ایسی پاکیزہ تعلیم کوئی جھوٹا خود غَرَض آدمی نہیں دے سکتا۔

۳۵- حضرت موسیٰؑ کے قصے کی دوسری تفصیلات کے لیے مُلاحظہ ہو: جلد اوّل، البقرہ، حواشی ۶۴ تا ۷۶، النساء، حاشیہ ۲۰۶، المائدہ، حاشیہ ۴۲۔ جلد دوم، الاعراف، حواشی ۹۳ تا ۱۱۹، یونس، حواشی ۷۲ تا ۹۴، ہود، حواشی ۱۹-۱۰۴-۱۱۱، یوسُف، دیباچہ، ابراہیم، حواشی ۸ تا ۱۳، بنی اسرائیل، حواشی ۱۱۳ تا ۱۱۷۔ جلد سوم، الکہف، حواشی ۵۷ تا ۵۹، مریم، حواشی ۲۹ تا ۳۱، طٰہٰ، دیباچہ، حواشی ۵ تا ۷۵، المومنون، حواشی ۳۹-۴۲، الشعراء، حواشی ۷ تا ۴۹، النمل، حواشی ۸ تا ۱۷۱، القصص، دیباچہ، حواشی ۱ تا ۵۷۔ جلد چہارم، احزاب، آیت ۶۹، الصّافّات، آیات ۱۱۴ تا ۱۲۲۔

۳۶- ہامان کے متعلق مخالفین کے اعتراضات کا جواب اس سے پہلے سورۂ قصص کے حواشی میں دیا جا چکا ہے۔ (جلد سوم، صفحہ ۶۱۵)

۳۷- یعنی ایسی صریح علامات کے ساتھ جن سے یہ اَمر مُشتَبہ نہیں رہ جاتا تھا کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور اُن کی پشت پر اللہ ربّ العالمین کی طاقت ہے۔ قرآنِ مجید میں حضرت موسیٰؑ کے قصے کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں ان پر ایک غائر نگاہ ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کون سی علامات تھیں جن کو یہاں ان کے مامور من اللہ ہونے کی کھلی سند قرار دیا

QuranUrdu.com

فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا
قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ

بھیجا، مگر انھوں نے کہا "ساحر ہے، کذّاب ہے۔" پھر جب وہ ہماری طرف سے حق ان کے سامنے[۳۸] لے آیا تو انھوں نے کہا "جو لوگ ایمان لا کر اس کے ساتھ شامل ہوئے ہیں ان سب کے لڑکوں کو قتل کرو اور لڑکیوں کو جیتا چھوڑ دو۔"[۳۹]

جا رہا ہے۔ اوّل تو یہی ایک عجیب بات تھی کہ جو شخص چند سال پہلے فرعون کی قوم کے ایک آدمی کو قتل کر کے ملک سے فرار ہو گیا تھا اور جس کے وارنٹ نکلے ہوئے تھے وہ اچانک ایک لاٹھی لیے ہوئے سیدھا فرعون کے بھرے دربار میں دَرّانہ چلا آتا ہے اور دھڑلّے کے ساتھ بادشاہ اور اس کے اعیانِ سلطنت کو مخاطب کر کے دعوت دیتا ہے کہ وہ اسے اللہ ربّ العالمین کا نمایندہ تسلیم کر کے اس کی ہدایات پر عمل کریں، اور کسی کو اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ جس قوم سے تعلق رکھتے تھے وہ اس بُری طرح غلامی کے جُوئے تلے پِس رہی تھی کہ اگر الزامِ قتل کی بنا پر اُن کو فوراً گرفتار کر لیا جاتا تو اس بات کا کوئی اندیشہ نہ تھا کہ ان کی قوم بغاوت تو درکنار، احتجاج ہی کے لیے زبان کھول سکے گی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عصا اور یدِ بَیضا کے معجزے دیکھنے سے بھی پہلے فرعون اور اس کے اہلِ دربار محض حضرت موسیٰؑ کی آمد ہی سے مرعوب ہو چکے تھے اور پہلی نظر ہی میں انھیں محسوس ہو گیا تھا کہ یہ شخص کسی اور ہی طاقت کے بل بُوتے پر آیا ہے۔ پھر جو عظیم الشان معجزے پَے در پَے ان کے ہاتھ سے صادر ہوئے ان میں سے ہر ایک یہ یقین دلانے کے لیے کافی تھا کہ یہ جادو کا نہیں، خدائی طاقت ہی کا کرشمہ ہے۔ آخر کس جادو کے زور سے ایک لاٹھی فی الواقع اژدہا بن سکتی ہے؟ یا ایک پورے ملک میں قحط پڑ سکتا ہے؟ یا لاکھوں مربع میل کے علاقے میں ایک نوٹس پر طرح طرح کے طوفان آ سکتے ہیں اور ایک نوٹس پر وہ ختم ہو سکتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید کے بیان کے مطابق فرعون اور اس کی سلطنت کے تمام ذمّہ دار لوگ، زبان سے چاہے انکار کرتے رہے ہوں، مگر دل اُن کے پوری طرح جان چکے تھے کہ حضرت موسیٰؑ فی الواقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوئے ہیں۔ (تفصیلات کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم، الاعراف، حواشی ۸۶ تا ۸۹، جلد سوم، طٰہٰ، حواشی ۲۹ تا ۵۳، الشعراء، حواشی ۲۲ تا ۴۱، النمل، حاشیہ ۱۶)

۳۸- یعنی جب پے در پے معجزات اور نشانیاں دکھا کر حضرت موسیٰؑ نے یہ بات اُن پر پوری طرح ثابت کر دی کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں اور مضبوط دلائل سے اپنا برسرِ حق ہونا پوری طرح واضح کر دیا۔

۳۹- سورۂ اَعراف، آیت ۱۲۷ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ فرعون کے درباریوں نے اس سے کہا تھا کہ آخر موسیٰؑ کو یہ کھلی چھٹی کب تک دی جائے گی، اور اس نے کہا تھا کہ میں عنقریب بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے اور لڑکیوں کو جیتا چھوڑ دینے کا حکم دینے والا ہوں۔ (تفہیم القرآن، جلد دوم، الاعراف، حاشیہ ۹۳) اب یہ آیت بتاتی ہے کہ فرعون کے ہاں سے آخرِ کار یہ حکم جاری کر دیا گیا۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ کے حامیوں اور پیروؤں کو اتنا خوف زدہ کر دیا جائے کہ وہ ڈر کے مارے ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔

QuranUrdu.com

وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى
وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ

مگر کافروں کی چال اکارت ہی گئی۔[۴۰]

ایک روز[۴۱] فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا: ”چھوڑو مجھے، مَیں اِس موسیٰؑ کو قتل کیے دیتا ہوں[۴۲]، اور پکار دیکھے یہ اپنے رب کو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمھارا دین بدل ڈالے گا، یا ملک میں فساد

۴۰ – اصل الفاظ ہیں: وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۔ اس فقرے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کافروں کی جو چال بھی تھی، گمراہی اور ظلم و جَور اور مُخالَفتِ حق ہی کی راہ میں تھی، یعنی حق واضح ہو جانے اور دلوں میں قائل ہو جانے کے باوجود وہ اپنی ضد میں بڑھتے ہی چلے گئے اور صداقت کو نیچا دکھانے کے لیے انھوں نے کوئی ذلیل سے ذلیل تدبیر اختیار کرنے میں بھی باک نہ کیا۔

۴۱ – یہاں سے جس واقعے کا بیان شروع ہو رہا ہے وہ تاریخِ بنی اسرائیل کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے جسے خود بنی اسرائیل بالکل فراموش کر گئے ہیں۔ بائبل اور تلمُود، دونوں اس کے ذکر سے خالی ہیں، اور دوسری اسرائیلی رِوایات میں بھی اس کا کوئی نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ صرف قرآنِ مجید ہی کے ذریعے سے دنیا کو یہ معلوم ہوا ہے کہ فرعون اور حضرت موسیٰؑ کی کشمکش کے دَور میں ایک وقت یہ واقعہ بھی پیش آیا تھا۔ اس قصے کو جو شخص بھی پڑھے گا، بشرطیکہ وہ اسلام اور قرآن کے خلاف تعصُّب میں اندھا نہ ہو چکا ہو، وہ یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے گا کہ دعوتِ حق کے نقطۂ نظر سے یہ قصہ بہت بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے، اور بجائے خود یہ بات بعید از عقل و قیاس بھی نہیں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی شخصیّت، ان کی تبلیغ، اور ان کے ہاتھوں ظہور پذیر ہونے والے حیرت انگیز معجزات سے مُتأثِّر ہو کر خود فرعون کے اَعیانِ سلطنت میں سے کوئی شخص دل ہی دل میں ایمان لے آیا ہو اور فرعون کو اُن کے قتل پر آمادہ دیکھ کر وہ ضبط نہ کر سکا ہو۔ لیکن مغربی مُستَشرِقین، علم و تحقیق کے لمبے چوڑے دعووں کے باوجود، تعصُّب میں اندھے ہو کر جس طرح قرآن کی روشن صداقتوں پر خاک ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اُس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں مضمون ”موسیٰ“ کا مصنف اس قصے کے متعلق لکھتا ہے:

> ”قرآن کی یہ کہانی کہ فرعون کے دربار میں ایک مومن موسیٰؑ کو بچانے کی کوشش کرتا ہے، پوری طرح واضح نہیں ہے۔ (سورہ ۴۰، آیت ۲۸) کیا ہمیں اس کا تقابُل اُس قصے سے کرنا چاہیے جو ہگّادا میں بیان ہوا ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ یتھرو نے فرعون کے دربار میں عَفُو سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا؟“

گویا ان مُدّعیانِ تحقیق کے ہاں یہ بات تو طے شدہ ہے کہ قرآن کی ہر بات میں ضرور کیڑے ہی ڈالنے ہیں۔ اب اگر اُس کے کسی بیان پر حرف زنی کی کوئی بنیاد نہیں ملتی تو کم از کم یہی شوشہ چھوڑ دیا جائے کہ یہ قصہ پوری طرح واضح نہیں ہے، اور چلتے چلتے یہ شک بھی پڑھنے والوں کے دل میں ڈال دیا جائے کہ ہگّادا میں یتھرو کا جو قصہ حضرت موسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے کا بیان ہوا ہے وہ کہیں سے

QuranUrdu.com

الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ
لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ ع وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ
فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ

ع ۲ ۷ ۸

برپا کرے گا۔[۴۳]"

موسیٰؑ نے کہا: "میں نے تو ہر اُس متکبّر کے مقابلے میں، جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا، اپنے رب اور تمھارے رب کی پناہ لے لی ہے۔[۴۴]" ع

اس موقع پر آلِ فرعون میں سے ایک مومن شخص، جو اپنا ایمان چُھپائے ہوئے تھا، بول اُٹھا: "کیا تم ایک شخص کو صرف اِس بنا پر قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے؟ حالانکہ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سُن لیا ہوگا، اور اسے لا کر یہاں اس شکل میں بیان کر دیا ہوگا۔ یہ ہے "علمی تحقیق" کا وہ انداز جو اِن لوگوں نے اسلام اور قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں اختیار کر رکھا ہے۔

۴۲ - اس فقرے میں فرعون یہ تأثُّر دینے کی کوشش کرتا ہے کہ گویا کچھ لوگوں نے اسے روک رکھا ہے جن کی وجہ سے وہ حضرت موسیٰؑ کو قتل نہیں کر رہا ہے، ورنہ اگر وہ مانع نہ ہوتے تو وہ کبھی کا انھیں ہلاک کر چکا ہوتا۔ حالانکہ دراصل باہر کی کوئی طاقت اسے روکنے والی نہ تھی، اس کے اپنے دل کا خوف ہی اس کو اللہ کے رسول پر ہاتھ ڈالنے سے روکے ہوئے تھا۔

۴۳ - یعنی، مجھے اس سے انقلاب کا خطرہ ہے، اور اگر یہ انقلاب برپا نہ بھی کر سکے تو کم از کم یہ خطرہ تو ہے ہی کہ اس کی کارروائیوں سے ملک میں فساد رونما ہوگا، لہٰذا بغیر اس کے کہ یہ کوئی مُستَلزِمِ سزائے موت جرم کرے، محض تحفظِ امنِ عام (maintenance of public order) کی خاطر اسے قتل کر دینا چاہیے۔ رہی یہ بات کہ اس شخص کی ذات سے فی الواقع امنِ عام کو خطرہ ہے یا نہیں، تو اس کے لیے صرف ہز میجسٹی کا اطمینان کافی ہے۔ سرکارِ عالی اگر مطمئن ہیں کہ یہ خطرناک آدمی ہے تو مان لیا جانا چاہیے کہ واقعی خطرناک اور گردن زدنی ہے۔

اِس مقام پر "دین بدل ڈالنے" کا مطلب بھی اچھی طرح سمجھ لیجیے جس کے اندیشے سے فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دینا چاہتا تھا۔ یہاں دین سے مراد نظامِ حکومت ہے اور فرعون کے قول کا مطلب یہ ہے کہ انی اخاف ان یغیر سلطانکم۔ (رُوح المعانی، ج ۲۴، ص ۵۶) بالفاظِ دیگر، فرعون اور اس کے خاندان کے اقتدارِ اعلیٰ کی بنیاد پر مذہب و سیاست اور تمدُّن و معیشت کا جو نظام مصر میں چل رہا تھا وہ ملک کا دین تھا، اور فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے اِسی دین کے بدل جانے کا خطرہ تھا۔ لیکن ہر زمانے کے مکّار حکمرانوں کی طرح اُس نے بھی یہ نہیں کہا کہ مجھے اپنے ہاتھ سے اقتدار نکل جانے کا خوف ہے، اس لیے میں موسیٰؑ کو قتل کرنا چاہتا ہوں،

QuranUrdu.com

جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ
وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ
ظٰهِرِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۙ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ

وہ تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس بیّنات[۴۵] لے آیا۔ اگر وہ جھُوٹا ہے تو اس کا جھُوٹ خود اسی پر پلٹ پڑے گا[۴۶]، لیکن اگر وہ سچّا ہے تو جن ہولناک نتائج کا وہ تم کو خوف دلاتا ہے ان میں سے کچھ تو تم پر ضرور ہی آ جائیں گے۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور کذّاب[۴۷] ہو۔ اَے میری قوم کے لوگو! آج تمھیں بادشاہی حاصل ہے اور زمین میں تم غالب ہو، لیکن اگر خدا کا عذاب ہم پر آ گیا تو پھر کون ہے جو ہماری مدد کر سکے گا؟[۴۸]"

بلکہ صورتِ معاملہ کو اُس نے اِس طرح پیش کیا کہ لوگو! خطرہ مجھے نہیں، تمھیں لاحق ہے، کیونکہ موسیٰؑ کی تحریک اگر کامیاب ہوگئی تو تمھارا دین بدل جائے گا۔ مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ میں تو تمھاری فکر میں گُھلا جا رہا ہوں کہ میرے سایۂ اقتدار سے محروم ہو کر تمھارا کیا بنے گا۔ لہٰذا جس ظالم کے ہاتھوں یہ سایہ تمھارے سر سے اُٹھ جانے کا اندیشہ ہے اسے قتل کر دینا چاہیے کیونکہ وہ ملک اور قوم کا دشمن ہے۔

۴۴ - یہاں دو برابر کے احتمال ہیں، جن میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے کے لیے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ ایک احتمال یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس وقت دربار میں خود موجود ہوں، اور فرعون نے ان کی موجودگی میں انھیں قتل کر دینے کا ارادہ ظاہر کیا ہو، اور حضرت نے اُس کو اور اُس کے درباریوں کو خطاب کر کے اُسی وقت برملا یہ جواب دے دیا ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی غیر موجودگی میں فرعون نے اپنی حکومت کے ذمّہ دار لوگوں کی کسی مجلس میں یہ خیال ظاہر کیا ہو، اور اس گفتگو کی اِطّلاع آنجناب کو اہلِ ایمان میں سے کچھ لوگوں نے پہنچائی ہو، اور اسے سن کر آپؑ نے اپنے پیروؤں کی مجلس میں یہ بات ارشاد فرمائی ہو۔ اِن دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو، حضرت موسیٰؑ کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون کی دھمکی اُن کے دل میں ذرّہ برابر بھی خوف کی کوئی کیفیت پیدا نہ کر سکی اور انھوں نے اللہ کے بھروسے پر اس کی دھمکی اسی کے منہ پر مار دی۔ اس واقعے کو جس موقع پر قرآنِ مجید میں بیان کیا گیا ہے، اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی یہی جواب اُن سب ظالموں کو ہے جو یوم الحساب سے بے خوف ہو کر آپؐ کو قتل کر دینے کی سازشیں کر رہے ہیں۔

۴۵ - یعنی اُس نے ایسی کُھلی کُھلی نشانیاں تمھیں دکھا دی ہیں جن سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو چکی ہے

QuranUrdu.com

قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

فرعون نے کہا: ”میں تو تم لوگوں کو وہی رائے دے رہا ہوں جو مجھے مناسب نظر آتی ہے۔ اور میں اُسی راستے کی طرف تمھاری رہنمائی کرتا ہوں جو ٹھیک ہے۔“[۴۹]

کہ وہ تمھارے رب کا بھیجا ہوا رسول ہے۔ مومنِ آلِ فرعون کا اشارہ اُن نشانیوں کی طرف تھا جن کی تفصیلات اس سے پہلے گزر چکی ہیں۔ (تفہیم القرآن، جلد دوم، الاعراف، حواشی، ۸۷-۸۹-۹۰-۹۱-۹۴ تا ۹۶، بنی اسرائیل، حواشی ۱۱۳ تا ۱۱۶۔ جلد سوم، طٰہٰ، حواشی ۲۹ تا ۵۰، الشعراء، حواشی ۲۶ تا ۳۹، النمل، حاشیہ ۱۶)

۴۶ - یعنی اگر ایسی صریح نشانیوں کے باوجود تم اُسے جھوٹا سمجھتے ہو تب بھی تمھارے لیے مناسب یہی ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، کیونکہ دوسرا احتمال، اور نہایت قوی احتمال یہ بھی ہے کہ وہ سچا ہو اور اس پر ہاتھ ڈال کر تم خدا کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ۔ اس لیے اگر تم اسے جھوٹا بھی سمجھتے ہو تو اس سے تَعَرُّض نہ کرو۔ وہ اللہ کا نام لے کر جھوٹ بول رہا ہوگا تو اللہ خود اس سے نمٹ لے گا۔ قریب قریب اسی طرح کی بات اس سے پہلے خود حضرت موسیٰؑ بھی فرعون سے کہہ چکے تھے: وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ (الدُّخان: ۲۱) ”اگر تم میری بات نہیں مانتے تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔“

یہاں یہ بات نگاہ میں رہنی چاہیے کہ مومنِ آلِ فرعون نے گفتگو کے آغاز میں کھل کر یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آیا ہے، بلکہ ابتداءً وہ اسی طرح کلام کرتا رہا کہ وہ بھی فرعون ہی کے گروہ کا ایک آدمی ہے اور محض اپنی قوم کی بھلائی کے لیے بات کر رہا ہے۔ مگر جب فرعون اور اس کے درباری کسی طرح راہِ راست پر آتے نظر نہ آئے تو آخر میں اُس نے اپنے ایمان کا راز فاش کر دیا، جیسا کہ پانچویں رُکوع میں اس کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے۔

۴۷ - اس فقرے کے دو مطلب ممکن ہیں، اور غالباً مومنِ آلِ فرعون نے قصداً یہ ذو معنیٰ بات اسی لیے کہی تھی کہ ابھی وہ کھل کر اپنے خیالات ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ ایک ہی شخص کی ذات میں راست رَوِی جیسی خوبی اور کِذْب و اِفْترا جیسی بدی جمع نہیں ہو سکتیں۔ تم عَلانِیَہ دیکھ رہے ہو کہ موسیٰؑ ایک نہایت پاکیزہ سیرت اور کمال درجے کا بلند کردار انسان ہے۔ اب آخر یہ بات تمھارے دماغ میں کیسے سماتی ہے کہ ایک طرف تو وہ اتنا بڑا جھوٹا ہو کہ اللہ کا نام لے کر نبوت کا بے بنیاد دعویٰ کر بیٹھے، اور دوسری طرف اللہ اسے اتنے اعلیٰ درجے کے اَخلاق عطا فرمائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ اگر حد سے تجاوز کر کے موسیٰ علیہ السلام کی جان لینے کے درپے ہو گے اور ان پر جھوٹے الزامات عائد کر کے اپنے ناپاک منصوبے عمل میں لاؤ گے، تو یاد رکھو کہ اللہ تمھیں ہرگز کامیابی کا راستہ نہ دکھائے گا۔

۴۸ - یعنی کیوں اللہ کی دی ہوئی اس نعمتِ غلبہ و اقتدار کی ناشکری کر کے اس کے غضب کو اپنے اُوپر دعوت دیتے ہو؟

۴۹ - فرعون کے اس جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی تک وہ یہ راز نہیں پا سکا تھا کہ اس کے دربار کا یہ امیر دل میں مومن ہو چکا ہے۔ اسی لیے اُس نے اس شخص کی بات پر کسی ناراضی کا اظہار تو نہیں کیا، البتہ یہ واضح کر دیا کہ اس کے خیالات سننے کے بعد بھی وہ اپنی رائے بدلنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

QuranUrdu.com

وَ قَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ
الْاَحْزَابِ ۙ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ الَّذِیْنَ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَ یٰقَوْمِ
اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ ۙ﴿۳۲﴾ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا
لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَ
لَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ
شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ
مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ

وہ شخص جو ایمان لایا تھا اُس نے کہا: ”اَے میری قوم کے لوگو! مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر بھی وہ دن نہ آ جائے جو اس سے پہلے بہت سے جتّھوں پر آ چکا ہے، جیسا دن قومِ نوحؑ اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والی قوموں پر آیا تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا[۵۰]۔ اے قوم! مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر فریاد و فُغاں کا دن نہ آ جائے جب تم ایک دوسرے کو پکارو گے اور بھاگے بھاگے پھرو گے، مگر اُس وقت اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ سچ یہ ہے کہ جسے اللہ بھٹکا دے، اُسے پھر کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہوتا۔ اس سے پہلے یوسفؑ تمھارے پاس بیِّنات لے کر آئے تھے، مگر تم اُن کی لائی ہوئی تعلیم کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہے۔ پھر جب اُن کا انتقال ہو گیا تو تم نے کہا: اب اُن کے بعد اللہ کوئی رسول ہرگز نہ بھیجے گا[۵۱]“ ـــــ اِسی طرح[۵۲] اللہ اُن سب لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے

---

۵۰ – یعنی اللہ کو بندوں سے کوئی عداوت نہیں ہے کہ وہ خواہ مخواہ انھیں ہلاک کر دے، بلکہ وہ ان پر عذاب اُسی وقت بھیجتا ہے جب کہ وہ حد سے گزر جاتے ہیں، اور اس وقت ان پر عذاب بھیجنا عین تقاضائے عدل و انصاف ہوتا ہے۔

۵۱ – یعنی تمھاری گمراہی اور پھر اس پر ہٹ دھرمی کا حال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمھارے ملک میں

QuranUrdu.com

مُّرْتَابٌ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ
اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ
يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ
يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ

اور شکّی ہوتے ہیں اور اللہ کی آیات میں جھگڑے کرتے ہیں، بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی سند یا دلیل آئی ہو۔[۵۳] یہ رَوِیّہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے نزدیک سخت مبغوض ہے۔ اِسی طرح اللہ ہر متکبّر و جبّار کے دل پر ٹھپّا لگا دیتا ہے۔[۵۴]

فرعون نے کہا: "اَے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا تاکہ میں راستوں تک پہنچ سکوں، آسمانوں

یوسف علیہ السلام آئے جن کے متعلق تم خود مانتے ہو کہ وہ بلند ترین اَخلاق کے حامل تھے، اور اس بات کا بھی تمھیں اعتراف ہے کہ انھوں نے بادشاہِ وقت کے خواب کی صحیح تعبیر دے کر تمھیں سات برس کے اُس خوفناک قحط کی تباہ کاریوں سے بچا لیا جو اُن کے دَور میں تم پر آیا تھا، اور تمھاری ساری قوم اس بات کی بھی معترف ہے کہ ان کے دَورِ حکومت سے بڑھ کر عدل و انصاف اور خیر و برکت کا زمانہ کبھی مصر کی سرزمین نے نہیں دیکھا، مگر اُن کی ساری خوبیاں جانتے اور مانتے ہوئے بھی تم نے ان کے جیتے جی ان پر ایمان لا کر نہ دیا، اور جب ان کی وفات ہوگئی تو تم نے کہا کہ اب بھلا ایسا آدمی کہاں پیدا ہوسکتا ہے۔ گویا تم ان کی خوبیوں کے معترف ہوئے بھی تو اس طرح کہ بعد کے آنے والے ہر نبی کا انکار کرنے کے لیے اسے ایک مستقل بہانہ بنا لیا۔ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ ہدایت بہرحال تمھیں قبول نہیں کرنی ہے۔

۵۲ - بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آگے کے یہ چند فقرے اللہ تعالیٰ نے مومنِ آلِ فرعون کے قول پر بطورِ اضافہ و تشریح ارشاد فرمائے ہیں۔

۵۳ - یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی میں اُنھی لوگوں کو پھینکا جاتا ہے جن میں یہ تین صفات موجود ہوتی ہیں۔ ایک، یہ کہ وہ اپنی بداعمالیوں میں حد سے گزر جاتے ہیں اور پھر انھیں فِسق و فُجور کی ایسی چاٹ لگ جاتی ہے کہ اصلاحِ اَخلاق کی کسی دعوت کو قبول کرنے کے لیے وہ آمادہ نہیں ہوتے۔ دوسرے، یہ کہ انبیا علیہم السلام کے معاملے میں ان کا مستقل رَوِیّہ شک کا رَوِیّہ ہوتا ہے۔ خدا کے نبی ان کے سامنے خواہ کیسے ہی بَیِّنات لے آئیں، مگر وہ ان کی نبوت میں بھی شک کرتے ہیں اور اُن حقائق کو بھی ہمیشہ شک ہی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو توحید اور آخرت کے متعلق انھوں نے پیش کیے ہیں۔ تیسرے، یہ کہ وہ کتاب اللہ کی آیات پر معقولیّت کے ساتھ غور کرنے کے بجائے کج بحثیوں سے ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اُن کج بحثیوں کی بنیاد نہ کسی عقلی دلیل پر ہوتی

QuranUrdu.com

السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ
زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ
فِرْعَوْنَ اِلَّا فِىْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ الَّذِىْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ
اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
مَتَاعٌ ۫ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِىَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً

ع ۱۰ ۹

کے راستوں تک، اور موسیٰؑ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں۔ مجھے تو یہ موسیٰؑ جھوٹا ہی معلوم ہوتا ہے[۵۵]"۔۔۔۔ اس طرح فرعون کے لیے اس کی بدعملی خوشنما بنا دی گئی اور وہ راہِ راست سے روک دیا گیا۔ فرعون کی ساری چال بازی (اس کی اپنی) تباہی کے راستے ہی میں صرف ہوئی۔ ع

وہ شخص جو ایمان لایا تھا، بولا: "اَے میری قوم کے لوگو! میری بات مانو، میں تمھیں صحیح راستہ بتاتا ہوں، اَے قوم! یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے[۵۶]، ہمیشہ کے قیام کی جگہ آخرت ہی ہے۔ جو برائی کرے گا اُس کو

ہے، نہ کسی آسمانی کتاب کی سند پر، بلکہ از اوّل تا آخر صرف ضد اور ہٹ دھرمی ہی ان کی واحد بنیاد ہوتی ہے۔ یہ تین عُیوب جب کسی گروہ میں پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ اسے گمراہی کے گڑھے میں پھینک دیتا ہے، جہاں سے دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں نکال سکتی۔

۵۴ - یعنی کسی کے دل پر ٹھپّا بلا وجہ نہیں لگا دیا جاتا۔ یہ لعنت کی مُہر صرف اُسی کے دل پر لگائی جاتی ہے جس میں تکبُّر اور جبّاریت کی ہوا بھر چکی ہو۔ تکبر سے مراد ہے آدمی کا جھوٹا پِندار جس کی بنا پر وہ حق کے آگے سر جھکانے کو اپنی حیثیت سے گری ہوئی بات سمجھتا ہے۔ اور جَبّاریّت سے مراد خلقِ خدا پر ظلم ہے جس کی کُھلی چھوٹ حاصل کرنے کے لیے آدمی شریعتِ الٰہیہ کی پابندیاں قبول کرنے سے بھاگتا ہے۔

۵۵ - مومنِ آلِ فرعون کی تقریر کے دَوران میں فرعون اپنے وزیر ہامان کو مخاطَب کر کے یہ بات کچھ اس انداز میں کہتا ہے کہ گویا وہ اس مومن کے کلام کو کسی التفات کے قابل نہیں سمجھتا، اس لیے متکبرانہ شان کے ساتھ اس کی طرف سے منہ پھیر کر ہامان سے کہتا ہے کہ ذرا میرے لیے ایک اُونچی عمارت تو بنوا، دیکھوں تو سہی کہ یہ موسیٰؑ جس خدا کی باتیں کر رہا ہے وہ کہاں رہتا ہے۔ (تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد سوم، القصص، حواشی ۵۲ تا ۵۴)

۵۶ - یعنی اس دنیا کی عارضی دولت و خوشحالی پر پھول کر تم جو اللہ کو بھول رہے ہو، یہ تمھاری نادانی ہے۔

QuranUrdu.com

فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ
مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَ
يٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ النصف
تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا
اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ
لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ
الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَ

اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنی اُس نے بُرائی کی ہوگی۔ اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، ایسے سب لوگ جنّت میں داخل ہوں گے، جہاں اُن کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔ اَے قوم! آخر یہ کیا ماجرا ہے کہ میں تو تم لوگوں کو نجات کی طرف بُلاتا ہوں، اور تم لوگ مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو! تم مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں، اور اس کے ساتھ اُن ہستیوں کو شریک ٹھیراؤں جنھیں مَیں نہیں جانتا[۵۷]، حالانکہ میں تمھیں اُس زبردست مغفرت کرنے والے خدا کی طرف بلا رہا ہوں۔ نہیں، حق یہ ہے اور اِس کے خلاف نہیں ہوسکتا کہ جن کی طرف تم مجھے بُلا رہے ہو، اُن کے لیے نہ دنیا میں کوئی دعوت ہے نہ آخرت میں[۵۸]، اور ہم سب کو پلٹنا اللہ ہی کی طرف ہے، اور حد سے گزرنے والے[۵۹] آگ میں جانے والے ہیں۔ آج جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، عنقریب وہ وقت آئے گا جب تم اُسے یاد کرو گے۔ اور اپنا

---

۵۷ - یعنی اُن کے شریکِ خدا ہونے کا میرے پاس کوئی علمی ثبوت نہیں ہے، پھر آخر آنکھیں بند کر کے میں اتنی بڑی بات کیسے مان لوں کہ خدائی میں ان کی بھی شرکت ہے اور مجھے اللہ کے ساتھ اُن کی بھی بندگی کرنی ہے۔

۵۸ - اس فقرے کے کئی معنٰی ہو سکتے ہیں: ایک، یہ کہ ان کو نہ دنیا میں یہ حق پہنچتا ہے اور نہ آخرت میں کہ اُن کی خدائی تسلیم کرنے کے لیے خلقِ خدا کو دعوت دی جائے۔ دوسرے، یہ کہ انھیں تو لوگوں نے زبردستی خدا بنایا ہے ورنہ وہ خود نہ اِس دنیا میں خدائی کے مُدّعی ہیں، نہ آخرت میں یہ دعویٰ لے کر اٹھیں گے کہ ہم بھی تو خدا تھے، تم نے ہمیں کیوں نہ مانا۔ تیسرے، یہ کہ اُن کو پکارنے کا کوئی فائدہ نہ اِس دنیا میں ہے

QuranUrdu.com

أُفَوِّضُ أَمْرِيٓ إِلَى اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٤٤﴾ فَوَقٰىهُ اللَّهُ
سَيِّـَٔاتِ مَا مَكَرُوا۟ وَحَاقَ بِـَٔالِ فِرْعَوْنَ سُوٓءُ الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ ۚ اَلنَّارُ
يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۖ قف اَدْخِلُوٓا

معاملہ میں اللہ کے سُپرد کرتا ہوں، وہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے۔[۶۰]"

آخرِکار اُن لوگوں نے جو بُری سے بُری چالیں اُس مومن کے خلاف چلیں، اللہ نے اُن سب سے اُس کو بچالیا،[۶۱] اور فرعون کے ساتھی خود بدترین عذاب کے پھیر میں آگئے۔[۶۲] دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح وشام وہ پیش کیے جاتے ہیں، اور جب قیامت کی گھڑی آجائے گی تو حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو

نہ آخرت میں، کیونکہ وہ بالکل بے اختیار ہیں اور انھیں پکارنا قطعی لاحاصل ہے۔

۵۹- "حد سے گزر جانے" کا مطلب حق سے تجاوُز کرنا ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ کے سوا دوسروں کی خدائی مانتا ہے، یا خود خدا بن بیٹھتا ہے، یا خدا سے باغی ہوکر دنیا میں خودمختاری کا رَوِیّہ اختیار کرتا ہے، اور پھر اپنی ذات پر، خلقِ خدا پر، اور دنیا کی ہر اُس چیز پر جس سے اس کو سابقہ پیش آئے، طرح طرح کی زیادتیاں کرتا ہے، وہ حقیقت میں عقل اور انصاف کی تمام حدوں کو پھاند جانے والا انسان ہے۔

۶۰- اس فقرے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں کہتے وقت اُس مومن شخص کو پورا یقین تھا کہ اس حق گوئی کی پاداش میں فرعون کی پوری سلطنت کا عتاب اس پر ٹوٹ پڑے گا اور اسے محض اپنے اعزازات اور مفادات ہی سے نہیں، اپنی جان تک سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ مگر یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نے محض اللہ کے بھروسے پر اپنا وہ فرض انجام دے دیا جسے اس نازک موقع پر اس کے ضمیر نے اس کا فرض سمجھا تھا۔

۶۱- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص فرعون کی سلطنت میں اتنی اہم شخصیت کا مالک تھا کہ بھرے دربار میں فرعون کے رُودَرُو یہ حق گوئی کر جانے کے باوجود عَلانِیَہ اس کو سزا دینے کی جرأت نہ کی جاسکتی تھی، اس وجہ سے فرعون اور اس کے حامیوں کو اسے ہلاک کرنے کے لیے خفیہ تدبیریں کرنی پڑیں، مگر ان تدبیروں کو بھی اللہ نے نہ چلنے دیا۔

۶۲- اِس طرزِ بیان سے یہ بات مُترشّح ہوتی ہے کہ مومنِ آلِ فرعون کی حق گوئی کا یہ واقعہ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی کش مکش کے بالکل آخری زمانے میں پیش آیا تھا۔ غالباً اس طویل کش مکش سے دل برداشتہ ہوکر آخرِ کار فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا ہوگا۔ مگر اپنی سلطنت کے اس بااثر شخص کی حق گوئی سے اس کو یہ خطرہ لاحق ہوگیا ہوگا کہ موسیٰؑ کے اثرات حکومت کے بالائی طبقوں تک میں پہنچ گئے ہیں۔ اس لیے اس نے فیصلہ کیا ہوگا کہ حضرت موسیٰؑ کے خلاف یہ انتہائی اقدام کرنے سے پہلے اُن عناصر کا پتا چلایا جائے جو سلطنت کے اُمَرا اور اعلیٰ عہدے داروں میں اِس تحریک سے مُتأثِّر ہو چکے ہیں، اور

QuranUrdu.com

اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَ اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ
الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ

شدید تر عذاب میں داخل کرو۔[۶۳] پھر ذرا خیال کرو اُس وقت کا جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ دنیا میں جو لوگ کمزور تھے وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے کہ "ہم تمھارے تابع تھے، اب کیا یہاں تم نارِ جہنّم کی تکلیف کے کچھ حصّے سے ہم کو بچا لو گے؟"[۶۴] وہ بڑے بننے والے جواب دیں گے: "ہم سب

ان کی سرکوبی کر لینے کے بعد حضرت موسیٰؑ پر ہاتھ ڈالا جائے۔ لیکن ابھی وہ ان تدبیروں میں لگا ہی ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کو ہجرت کا حکم دے دیا، اور ان کا پیچھا کرتے ہوئے فرعون اپنے لشکروں سمیت غرقاب ہو گیا۔

۶۳ - یہ آیت اُس عذابِ برزخ کا صریح ثبوت ہے جس کا ذکر بکثرت احادیث میں عذابِ قبر کے عنوان سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہاں صاف الفاظ میں عذاب کے دو مرحلوں کا ذکر فرما رہا ہے: ایک کم تر درجے کا عذاب جو قیامت کے آنے سے پہلے فرعون اور آلِ فرعون کو اب دیا جا رہا ہے، اور وہ یہ ہے کہ انھیں صبح و شام دوزخ کی آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جسے دیکھ کر وہ ہر وقت ہول کھاتے رہتے ہیں کہ یہ ہے وہ دوزخ جس میں آخرِ کار ہمیں جانا ہے۔ اس کے بعد جب قیامت آ جائے گی تو انھیں وہ اصلی اور بڑی سزا دی جائے گی جو ان کے لیے مقدر ہے، یعنی وہ اُسی دوزخ میں جھونک دیے جائیں گے جس کا نظّارہ انھیں غرقاب ہو جانے کے وقت سے آج تک کرایا جا رہا ہے اور قیامت کی گھڑی تک کرایا جاتا رہے گا۔ اور یہ معاملہ صرف فرعون و آلِ فرعون کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ تمام مجرموں کو موت کی ساعت سے لے کر قیامت تک وہ انجامِ بد نظر آتا رہتا ہے جو اُن کا انتظار کر رہا ہے، اور تمام نیک لوگوں کو اُس انجامِ نیک کی حَسین تصویر دکھائی جاتی رہتی ہے جو اللہ نے اُن کے لیے مہیا کر رکھا ہے۔ بخاری، مسلم اور مُسندِ احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رِوایَت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

"ان احدکم اذا مات عُرض علیه مقعده بالغداة والعشی ، ان کان من اهل الجنة فمن اهل الجنة، وان کان من اهل النار فمن اهل النار، فیقال هٰذا مقعدك حتٰی یبعثك الله عزوجل الیه یوم القیٰمة۔ "تم میں سے جو شخص بھی مرتا ہے اسے صبح و شام اُس کی آخری قیام گاہ دکھائی جاتی رہتی ہے، خواہ وہ جنتی ہو یا دوزخی۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں تو اُس وقت جائے گا جب اللہ تجھے قیامت کے روز دوبارہ اُٹھا کر اپنے حضور بلائے گا۔" (مزید تفصیلات کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد اوّل، النساء، آیت ۹۷، الاَنعام، ۹۳ - ۹۴۔ جلد دوم، الانفال، ۵۰، النحل، ۲۸ - ۳۲۔ جلد سوم، المومنون، ۹۹ - ۱۰۰۔ جلد چہارم، یٰسین، ۲۶ - ۲۷ مع حاشیہ ۲۲ - ۲۳۔ جلد پنجم، محمد، ۲۷ مع حاشیہ ۳۷)

۶۴ - یہ بات وہ اس اُمید پر نہیں کہیں گے کہ ہمارے یہ سابق پیشوا یا حاکم یا رہنما فی الواقع ہمیں عذاب سے بچا سکیں گے یا اس میں کچھ کمی کرا دیں گے۔ اُس وقت تو اُن پر یہ حقیقت کھل چکی ہو گی کہ یہ لوگ یہاں ہمارے کسی کام آنے والے نہیں ہیں۔

QuranUrdu.com

فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ
لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾
قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا
فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع ۵ ۱۰ ۱۳ اِنَّا لَنَنْصُرُ
رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ
الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ

یہاں ایک حال میں ہیں، اور اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے۔[۶۵]" پھر یہ دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ جہنّم کے اہل کاروں سے کہیں گے: "اپنے رب سے دُعا کرو کہ ہمارے عذاب میں بس ایک دن کی تخفیف کر دے۔" وہ پوچھیں گے: "کیا تمھارے پاس تمھارے رسول بَیِّنات لے کر نہیں آتے رہے تھے؟" وہ کہیں گے: "ہاں"۔ جہنّم کے اہل کار بولیں گے: "پھر تو تم ہی دُعا کرو، اور کافروں کی دُعا اِکارت ہی جانے والی ہے۔"[۶۶] ع

یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اِس دُنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں،[۶۷] اور اُس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے،[۶۸] جب ظالموں کو ان کی معذرت کچھ بھی فائدہ نہ دے گی، اور اُن پر

مگر وہ انھیں ذلیل کرنے کے لیے ان سے کہیں گے کہ دنیا میں تو حُضور بڑے طَنطنے سے اپنی سرداری ہم پر چلاتے تھے، اب یہاں اِس آفت سے بھی تو ہمیں بچائیے جو آپ ہی کی بدولت ہم پر آئی ہے۔

۶۵ - یعنی ہم اور تم، دونوں ہی سزا یافتہ ہیں، اور اللہ کی عدالت سے جس کو جو سزا ملنی تھی مل چکی ہے۔ اُس کے فیصلے کو بدلنا، یا اس کی دی ہوئی سزا میں کمی بیشی کر دینا اب کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

۶۶ - یعنی جب واقعہ یہ ہے کہ رسول تمھارے پاس بَیِّنات لے کر آ چکے تھے اور تم اس بنا پر سزا پا کر یہاں آئے ہو کہ تم نے اُن کی بات ماننے سے انکار (کفر) کر دیا تھا، تو اب ہمارے لیے تمھارے حق میں اللہ تعالیٰ سے کوئی دُعا کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے، کیونکہ ایسی دعا کے لیے کوئی نہ کوئی عذر تو ہونا چاہیے، اور تم اپنی طرف سے ہر معذرت کی گنجایش پہلے ہی ختم کر چکے ہو۔ اِس حالت میں تم خود دعا کرنا چاہو تو کر دیکھو۔ مگر ہم یہ پہلے ہی تمھیں بتائے دیتے ہیں کہ تمھاری طرح کفر کر کے جو لوگ یہاں آئے ہوں ان کی دُعا بالکل لاحاصل ہے۔

QuranUrdu.com

اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَ
اَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّ ذِكْرٰى لِاُولِي
الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ

لعنت پڑے گی، اور بدترین ٹھکانا اُن کے حصّے میں آئے گا۔ آخر دیکھ لو کہ موسیٰؑ کی ہم نے رہنمائی کی[۶۹] اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنا دیا جو عقل و دانش رکھنے والوں کے لیے ہدایت و نصیحت تھی[۷۰]۔ پس اَے نبیؐ! صبر کرو[۷۱]، اللہ کا وعدہ برحق ہے[۷۲]، اپنے قصور کی معافی چاہو[۷۳] اور صبح و شام

۶۷ - تشریح کے لیے ملاحظہ ہو: تفہیم القرآن، الصّافّات، حاشیہ نمبر ۹۳۔

۶۸ - یعنی جب اللہ کی عدالت قائم ہوگی اور اس کے حضور گواہ پیش کیے جائیں گے۔

۶۹ - یعنی موسیٰؑ کو ہم نے فرعون کے مقابلے پر بھیج کر بس یونہی ان کے حال پر نہیں چھوڑ دیا تھا، بلکہ قدم قدم پر ہم ان کی رہنمائی کرتے رہے یہاں تک کہ انھیں کامیابی کی منزل تک پہنچا دیا۔ اِس ارشاد میں ایک لطیف اشارہ اس مضمون کی طرف ہے کہ اَے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! ایسا ہی معاملہ ہم تمھارے ساتھ بھی کریں گے۔ تم کو بھی مکّے کے شہر اور قریش کے قبیلے میں نبوت کے لیے اُٹھا دینے کے بعد ہم نے تمھارے حال پر نہیں چھوڑ دیا ہے کہ یہ ظالم تمھارے ساتھ جو سُلوک چاہیں کریں، بلکہ ہم خود تمھاری پشت پر موجود ہیں اور تمھاری رہنمائی کر رہے ہیں۔

۷۰ - یعنی جس طرح موسیٰؑ کا انکار کرنے والے اِس نعمت و برکت سے محروم رہ گئے اور اُن پر ایمان لانے والے بنی اسرائیل ہی کتاب کے وارث بنائے گئے، اسی طرح اب جو لوگ تمھارا انکار کریں گے وہ محروم ہو جائیں گے اور تم پر ایمان لانے والوں ہی کو یہ سعادت نصیب ہوگی کہ قرآن کے وارث ہوں اور دنیا میں ہِدایت کے عَلَم بردار بن کر اٹھیں۔

۷۱ - یعنی جو حالات تمھارے ساتھ پیش آ رہے ہیں ان کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرتے چلے جاؤ۔

۷۲ - اشارہ ہے اُس وعدے کی طرف جو ابھی ابھی اُوپر کے اِس فقرے میں کیا گیا تھا کہ ”ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اِس دنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں۔“

۷۳ - جس سِیاق و سَباق میں یہ بات ارشاد ہوئی ہے اُس پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس مَقام پر ”قصور“ سے مراد بے صبری کی وہ کیفیت ہے جو شدید مُخالَفت کے اُس ماحول میں خُصوصیّت کے ساتھ اپنے ساتھیوں کی مظلومی دیکھ دیکھ کر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر پیدا ہو رہی تھی۔ آپؐ چاہتے تھے کہ جلدی سے کوئی معجزہ ایسا دکھا دیا جائے جس سے کفار قائل ہو جائیں، یا اللہ کی طرف سے اور کوئی ایسی بات جلدی ظہور میں آ جائے جس سے مخالَفت کا یہ طوفان ٹھنڈا ہو جائے۔ یہ خواہش بجائے خود کوئی گناہ نہ تھی جس پر کسی توبہ و اِستِغفار کی حاجت ہوتی، لیکن جس مقامِ بلند پر اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو سرفراز

QuranUrdu.com

بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ
فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا
كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو۔[۷۴] حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ کسی سَند و حُجّت کے بغیر جو اُن کے پاس آئی ہو، اللہ کی آیات میں جھگڑے کر رہے ہیں، اُن کے دلوں میں کِبر بھرا ہُوا ہے،[۷۵] مگر وہ اُس بڑائی کو پہنچنے والے نہیں ہیں جس کا وہ گھمنڈ رکھتے ہیں۔[۷۶] بس اللہ کی پناہ مانگ لو،[۷۷] وہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے۔

فرمایا تھا، اور جس زبردست اولوالعزمی کا وہ مقام مقتضی تھا، اُس کے لحاظ سے یہ ذرا سی بے صبری بھی اللہ تعالیٰ کو آپؐ کے مرتبے سے فَروتر نظر آئی، اس لیے ارشاد ہوا کہ اس کمزوری پر اپنے رب سے معافی مانگو اور چٹان کی سی مضبوطی کے ساتھ اپنے مَوقِف پر قائم ہو جاؤ جیسا کہ تم جیسے عظیم المرتبت آدمی کو ہونا چاہیے۔

۷۴ - یعنی یہ حمد و تسبیح ہی وہ ذریعہ ہے جس سے اللہ کے لیے کام کرنے والوں کو اللہ کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ صبح و شام حمد و تسبیح کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک، یہ کہ دائماً اللہ کو یاد کرتے رہو۔ دوسرے، یہ کہ اِن مخصوص اوقات میں نماز ادا کرو۔ اور یہ دوسرے معنیٰ لینے کی صورت میں اشارہ نماز کے ان پانچوں اوقات کی طرف ہے جو اس سورت کے نُزول کے کچھ مدّت بعد تمام اہلِ ایمان پر فرض کر دیے گئے۔ اس لیے کہ عشی کا لفظ عَرَبی زبان میں زوالِ آفتاب سے لے کر رات کے ابتدائی حصّے تک کے لیے بولا جاتا ہے، جس میں ظہر سے عشا تک کی چاروں نمازیں آجاتی ہیں۔ اور اِبکار صبح کی پَو پھٹنے سے طُلوعِ آفتاب تک کے وقت کو کہتے ہیں جو نمازِ فجر کا وقت ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد اوّل، البقرہ، حواشی ۵-۵۹-۶۰-۲۶۳۔ جلد دوم، ہود، حاشیہ ۱۱۳، الحِجر، حاشیہ ۵۳، بنی اسرائیل، دیباچہ، حواشی ۱-۹۱ تا ۹۸۔ جلد سوم، طٰہٰ، حاشیہ ۱۱۱، النور، حواشی ۸۴ تا ۸۹، العنکبوت، حواشی ۷۶ تا ۷۹، الروم، حواشی ۲۴-۵۰)

۷۵ - یعنی ان لوگوں کی بے دلیل مُخالفت اور اِن کی غیر معقول کج بحثیوں کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ کی آیات میں جو سچّائیاں اور خیر و صلاح کی باتیں ان کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں وہ اِن کی سمجھ میں نہیں آتیں اس لیے یہ نیک نیتی کے ساتھ ان کو سمجھنے کی خاطر بحثیں کرتے ہیں، بلکہ اِن کے اِس رَوِیّے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کا غُرورِ نفس یہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ ان کے ہوتے عرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشوائی و رہنمائی تسلیم کر لی جائے اور بالآخر ایک روز اِنھیں خود بھی اُس شخص کی قیادت ماننی پڑے جس کے مقابلے میں یہ اپنے آپ کو سرداری کا زیادہ حق دار سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کسی طرح نہ چلنے پائے، اور اس مقصد کے لیے اِنھیں کوئی ذلیل سے ذلیل حربہ استعمال کرنے میں بھی کوئی تأمُّل نہیں ہے۔

QuranUrdu.com

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا
مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ

آسمانوں[۷۸] اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے کی بہ نسبت یقیناً زیادہ بڑا کام ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں[۷۹]۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ اندھا اور بینا یکساں ہو جائے اور ایمان دار و صالح اور بدکار برابر ٹھیریں مگر تم لوگ کم ہی کچھ سمجھتے ہو[۸۰]۔ یقیناً قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، اس کے آنے میں کوئی شک نہیں، مگر

---

۷۶ - دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ جس کو اللہ نے بڑا بنایا ہے وہی بڑا بن کر رہے گا، اور یہ چھوٹے لوگ اپنی بڑائی قائم رکھنے کی جو کوششیں کر رہے ہیں وہ سب آخرِکار ناکام ہو جائیں گی۔

۷۷ - یعنی جس طرح فرعون کی دھمکیوں کے مقابلے میں اللہ واحدِ قہّار کی پناہ مانگ کر موسیٰؑ بے فکر ہو گئے تھے، اسی طرح سردارانِ قریش کی دھمکیوں اور سازشوں کے مقابلے میں تم بھی اُس کی پناہ لے لو اور پھر بے فکر ہو کر اس کا کلمہ بلند کرنے میں لگ جاؤ۔

۷۸ - اُوپر کے ساڑھے تین رُکوعوں میں سردارانِ قریش کی سازشوں پر تبصرہ کرنے کے بعد اب یہاں سے خطاب کا رُخ عوام کی طرف پھر رہا ہے اور ان کو یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ جن حقائق کو ماننے کی دعوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دے رہے ہیں وہ سراسر معقول ہیں، ان کو مان لینے ہی میں تمھاری بھلائی ہے اور نہ ماننا تمھارے اپنے لیے تباہ کُن ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے آخرت کے عقیدے کو لے کر اُس پر دلائل دیے گئے ہیں، کیونکہ کفار کو سب سے زیادہ اچنبھا اِسی عقیدے پر تھا اور اِسے وہ بعید از فہم خیال کرتے تھے۔

۷۹ - یہ امکانِ آخرت کی دلیل ہے۔ کفّار کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد انسان کا دوبارہ جی اُٹھنا غیر ممکن ہے۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں وہ درحقیقت نادان ہیں۔ اگر عقل سے کام لیں تو ان کے لیے یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہ ہو کہ جس خدا نے یہ عظیم الشان کائنات بنائی ہے اس کے لیے انسانوں کو دوبارہ پیدا کر دینا کوئی دشوار کام نہیں ہوسکتا۔

۸۰ - یہ وجوبِ آخرت کی دلیل ہے۔ اُوپر کے فقرے میں بتایا گیا تھا کہ آخرت ہوسکتی ہے، اس کا ہونا غیر ممکن نہیں ہے۔ اور اس فقرے میں بتایا جا رہا ہے کہ آخرت ہونی چاہیے، عقل اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہو، اور اس کا ہونا نہیں بلکہ نہ ہونا

QuranUrdu.com

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ
اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۷

اکثر لوگ نہیں مانتے۔[۸۱]

تمھارا[۸۲] رب کہتا ہے: ”مجھے پُکارو، میں تمھاری دُعائیں قبول کروں گا[۸۳]۔ جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، ضرور وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنّم میں داخل ہوں گے[۸۴]۔“

خلافِ عقل و انصاف ہے۔ آخر کوئی معقول آدمی اس بات کو کیسے درست مان سکتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں اندھوں کی طرح جیتے ہیں اور اپنے بُرے اَخلاق و اعمال سے خدا کی زمین کو فساد سے بھر دیتے ہیں وہ اپنی اِس غلط رَوِش کا کوئی بُرا انجام نہ دیکھیں، اور اسی طرح وہ لوگ بھی جو دنیا میں آنکھیں کھول کر چلتے ہیں اور ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں اپنی اِس اچھی کارگزاری کا کوئی اچھا نتیجہ دیکھنے سے محروم رہ جائیں؟ یہ بات اگر صریحاً خلافِ عقل و انصاف ہے تو پھر یقیناً انکارِ آخرت کا عقیدہ بھی عقل و انصاف کے خلاف ہی ہونا چاہیے، کیونکہ آخرت نہ ہونے کے معنٰی یہ ہیں کہ نیک و بد دونوں آخرِ کار مر کر مٹی ہو جائیں اور ایک ہی انجام سے دوچار ہوں۔ اس صورت میں صرف عقل و انصاف ہی کا خون نہیں ہوتا بلکہ اَخلاق کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اس لیے کہ اگر نیکی اور بدی کا انجام یکساں ہے تو پھر بد بڑا عقل مند ہے کہ مرنے سے پہلے اپنے دل کے سارے ارمان نکال گیا اور نیک سخت بے وقوف ہے کہ خواہ مخواہ اپنے اُوپر طرح طرح کی اَخلاقی پابندیاں عائد کیے رہا۔

۸۱ - یہ وقوعِ آخرت کا قطعی حکم ہے جو اِستِدلال کی بنیاد پر نہیں بلکہ صرف علم ہی کی بنا پر لگایا جا سکتا ہے اور کلامِ وحی کے سوا کسی دوسرے کلام میں یہ بات اِس قطعیت کے ساتھ بیان نہیں ہو سکتی۔ وحی کے بغیر محض عقلی استدلال سے جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ بس اسی قدر ہے کہ آخرت ہو سکتی ہے، اور اُس کو ہونا چاہیے۔ اِس سے آگے بڑھ کر یہ کہنا کہ آخرت یقیناً ہو گی اور ہو کر رہے گی، یہ صرف اُس ہستی کے کہنے کی بات ہے جسے معلوم ہے کہ آخرت ہو گی، اور وہ ہستی اللہ تعالٰی کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یہی وہ مَقام ہے جہاں پہنچ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قیاس و اِستِدلال کے بجائے خالص علم پر دین کی بنیاد اگر قائم ہو سکتی ہے تو وہ صرف وحیِ الٰہی کے ذریعے ہی سے ہو سکتی ہے۔

۸۲ - آخرت کے بعد اب توحید پر کلام شروع ہو رہا ہے جو کفار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دوسری بِنائے نِزاع تھی۔

۸۳ - یعنی دعائیں قبول کرنے اور نہ کرنے کے جملہ اختیارات میرے پاس ہیں، لہٰذا تم دوسروں سے دُعائیں نہ مانگو بلکہ مجھ سے مانگو۔ اس آیت کی روح کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے تین باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہییں:

اوّل یہ کہ دُعا آدمی صرف اُس ہستی سے مانگتا ہے جس کو وہ سمیع و بصیر اور فوق الفطری اقتدار (supernatural powers) کا مالک سمجھتا ہے، اور دُعا مانگنے کا مُحرّک دراصل آدمی کا یہ اندرونی احساس ہوتا ہے کہ عالَمِ اسباب کے تحت

QuranUrdu.com

فطری ذرائع و وسائل اس کی کسی تکلیف کو رفع کرنے یا کسی حاجت کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں یا کافی ثابت نہیں ہو رہے ہیں، اس لیے کسی فوق الفطری اقتدار کی مالک ہستی سے رُجوع کرنا ناگزیر ہے۔ اس ہستی کو آدمی بے دیکھے پکارتا ہے۔ ہر وقت، ہر جگہ، ہر حال میں پکارتا ہے۔ خَلْوَت کی تنہائیوں میں پکارتا ہے۔ بآوازِ بلند ہی نہیں، چپکے چپکے بھی پکارتا ہے، بلکہ دل ہی دل میں اس سے مدد کی التجائیں کرتا ہے۔ یہ سب کچھ لازماً اِس عقیدے کی بنا پر ہوتا ہے کہ وہ ہستی اُس کو ہر جگہ ہر حال میں دیکھ رہی ہے۔ اس کے دل کی بات بھی سُن رہی ہے۔ اور اُس کو ایسی قدرتِ مُطلَقہ حاصل ہے کہ اسے پکارنے والا جہاں بھی ہو وہ اس کی مدد کو پہنچ سکتی ہے اور اس کی بگڑی بنا سکتی ہے۔ دُعا کی اس حقیقت کو جان لینے کے بعد یہ سمجھنا آدمی کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں رہتا کہ جو شخص اللہ کے سوا کسی اور ہستی کو مدد کے لیے پکارتا ہے وہ درحقیقت قطعی اور خالص اور صریح شرک کا ارتکاب کرتا ہے، کیونکہ وہ اُس ہستی کے اندر اُن صفات کا اعتقاد رکھتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں۔ اگر وہ اس کو اُن خدائی صفات میں اللہ کا شریک نہ سمجھتا تو اس سے دُعا مانگنے کا تصور تک کبھی اس کے ذہن میں نہ آ سکتا تھا۔

دوسری بات جو اس سلسلے میں اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے وہ یہ ہے کہ کسی ہستی کے متعلق آدمی کا اپنی جگہ یہ سمجھ بیٹھنا کہ وہ اختیارات کی مالک ہے، اِس سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ وہ فی الواقع مالکِ اختیارات ہو جائے۔ مالکِ اختیارات ہونا تو ایک امرِ واقعی ہے جو کسی کے سمجھنے یا نہ سمجھنے پر موقوف نہیں ہے۔ جو درحقیقت اختیارات کا مالک ہے وہ بہرحال مالک ہی رہے گا، خواہ آپ اسے مالک سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ اور جو حقیقت میں مالک نہیں ہے، اس کو محض یہ بات کہ آپ نے اسے مالک سمجھ لیا ہے، اختیارات میں ذرّہ برابر بھی کوئی حصہ نہ دلوا سکے گی۔ اب یہ بات ایک امرِ واقعی ہے کہ قادرِ مُطلَق اور مدبّرِ کائنات اور سمیع و بصیر ہستی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور وہی کُلّی طور پر اختیارات کا مالک ہے۔ دوسری کوئی ہستی بھی اس پوری کائنات میں ایسی نہیں ہے جو دعائیں سننے اور اُن پر قُبولیت یا عَدَمِ قبولیت کی صورت میں کوئی کارروائی کرنے کے اختیارات رکھتی ہو۔ اِس امرِ واقعی کے خلاف اگر لوگ اپنی جگہ کچھ انبیا اور اولیا اور فرشتوں اور جِنّوں اور سیّاروں اور فرضی دیوتاؤں کو اختیارات میں شریک سمجھ بیٹھیں تو اس سے حقیقت میں ذرّہ برابر بھی کوئی فرق رونما نہ ہوگا۔ مالک مالک ہی رہے گا اور بے اختیار بندے، بندے ہی رہیں گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے دعا مانگنا بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص درخواست لکھ کر اَیوانِ حکومت کی طرف جائے مگر اصل حاکمِ ذی اختیار کو چھوڑ کر وہاں جو دوسرے سائلین اپنی حاجتیں لیے بیٹھے ہوں اُنھی میں سے کسی ایک کے آگے اپنی درخواست پیش کر دے اور پھر ہاتھ جوڑ جوڑ کر اس سے التجائیں کرتا چلا جائے کہ حضور ہی سب کچھ ہیں، آپ ہی کا یہاں حکم چلتا ہے، میری مراد آپ ہی بَر لائیں گے تو بَر آئے گی۔ یہ حرکت، اوّل تو بجائے خود سخت حماقت و جَہالت ہے، لیکن ایسی حالت میں یہ انتہائی گستاخی بھی بن جاتی ہے جب کہ اصل حاکمِ ذی اختیار سامنے موجود ہو اور عین اُس کی موجودگی میں اُسے چھوڑ کر کسی دوسرے کے سامنے درخواستیں اور التجائیں پیش کی جا رہی ہوں۔ پھر یہ جَہالت اپنے کمال پر اُس وقت پہنچ جاتی ہے، جب وہ شخص جس کے سامنے درخواست پیش کی جا رہی ہو، خود بار بار اُس کو سمجھائے کہ میں تو خود تیری ہی طرح کا ایک سائل ہوں، میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے، اصل حاکم سامنے موجود ہیں، تُو ان کی سرکار میں اپنی درخواست پیش کر، مگر اس کے سمجھانے اور منع کرنے کے باوجود یہ احمق کہتا ہی چلا جائے کہ میرے سرکار تو آپ ہیں، میرا کام آپ ہی بنائیں گے تو بنے گا۔

QuranUrdu.com

ان تین باتوں کو ذہن میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ مجھے پکارو، تمھاری دعاؤں کا جواب دینے والا میں ہوں، انھیں قبول کرنا میرا کام ہے۔

۸۴ - اس آیت میں دو باتیں خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں: ایک، یہ کہ دُعا اور عبادت کو یہاں مترادف الفاظ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ پہلے فقرے میں جس چیز کو دُعا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا تھا، اُسی کو دوسرے فقرے میں عبادت کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اِس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دعا عین عبادت اور جانِ عبادت ہے۔ دوسرے، یہ کہ اللہ سے دعا نہ مانگنے والوں کے لیے ''گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے دعا مانگنا عین تقاضائے بندگی ہے، اور اُس سے منہ موڑنے کے معنٰی یہ ہیں کہ آدمی تکبُّر میں مبتلا ہے اس لیے اپنے خالق و مالک کے آگے اعترافِ عُبودیت کرنے سے کتراتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں آیت کے ان دونوں مضامین کو کھول کر بیان فرما دیا ہے۔ حضرت نُعمان بن بَشیرؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ان الدعاء هو العبادة ثم قرأ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ..... یعنی دعا عین عبادت ہے، پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (احمد، تِرمذی، ابوداؤد، نَسائی، ابنِ ماجہ، ابنِ ابی حاتم، ابنِ جَرِیر) حضرت اَنَسؓ کی رِوایَت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: الدعاء مخ العبادة، ''دعا مغز عبادت ہے۔'' (تِرمذی) حضرت ابوہُرَیرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: من لم یسأل اللّٰه یغضب علیه، ''جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔'' (تِرمذی)

اس مَقام پر پہنچ کر وہ عُقدہ بھی حل ہو جاتا ہے جو بہت سے ذہنوں میں اکثر الجھن ڈالتا رہتا ہے۔ لوگ دُعا کے معاملے پر اِس طرح سوچتے ہیں کہ جب تقدیر کی بُرائی اور بھلائی اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ اپنی غالب حکمت و مَصْلَحَت کے لحاظ سے جو فیصلہ کر چکا ہے وہی کچھ لازماً رونما ہو کر رہنا ہے، تو پھر ہمارے دعا مانگنے کا حاصل کیا ہے۔ یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے جو آدمی کے دل سے دعا کی ساری اہمیت نکال دیتی ہے، اور اس باطل خیال میں مبتلا رہتے ہوئے اگر آدمی دُعا مانگے بھی تو اس کی دعا میں کوئی روح باقی نہیں رہتی۔ قرآنِ مجید کی مذکورۂ بالا آیت اس غلط فہمی کو دو طریقوں سے رفع کرتی ہے: اولاً، اللہ تعالیٰ بالفاظِ صریح فرما رہا ہے کہ ''مجھے پکارو، میں تمھاری دعائیں قبول کروں گا۔'' اس سے صاف معلوم ہوا کہ قضا اور تقدیر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس نے ہماری طرح، معاذ اللہ! خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھی باندھ دیے ہوں اور دُعا قبول کرنے کے اختیارات اس سے سلب ہو گئے ہوں۔ بندے تو بلاشبہ اللہ کے فیصلوں کو ٹالنے یا بدل دینے کی طاقت نہیں رکھتے، مگر اللہ تعالیٰ خود یہ طاقت ضرور رکھتا ہے کہ کسی بندے کی دعائیں اور التجائیں سن کر اپنا فیصلہ بدل دے۔ دوسری بات جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ دعا خواہ قبول ہو یا نہ ہو، بہرحال ایک فائدے اور بہت بڑے فائدے سے وہ کسی صورت میں بھی خالی نہیں ہوتی، اور وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کر کے اور اس سے دعا مانگ کر اس کی آقائی و بالا دستی کا اعتراف اور اپنی بندگی و عاجزی کا اقرار کرتا ہے۔ یہ اظہارِ عُبودیّت بجائے خود عبادت، بلکہ جانِ عبادت ہے، جس کے اجر سے بندہ کسی حال میں بھی محروم نہ رہے گا، قطعِ نظر اس سے کہ وہ خاص چیز اُس کو عطا کی جائے یا نہ کی جائے جس کے لیے اس نے دُعا کی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ان دونوں مضامین کی بھی پوری وضاحت ہمیں مل جاتی ہے۔ پہلے مضمون پر

QuranUrdu.com

حسبِ ذیل احادیث روشنی ڈالتی ہیں:

حضرت سَلمانؓ فارسی کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: لا یرد القضاءَ الا الدعاء۔ (تِرمذی) ''قضا کو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی مگر دُعا۔'' یعنی اللہ کے فیصلے کو بدل دینے کی طاقت کسی میں نہیں ہے، مگر اللہ خود اپنا فیصلہ بدل سکتا ہے، اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب بندہ اس سے دعا مانگتا ہے۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما من احدٍ یدعو بدعاءٍ الّا اٰتاہ اللّٰہ ما سأل او کف عنہ من السوء مثلہ ما لم یدع باثم اوقطیعة رحمٍ۔ (تِرمذی) ''آدمی جب کبھی اللہ سے دعا مانگتا ہے، اللہ اسے یا تو وہی چیز دیتا ہے جس کی اس نے دعا کی تھی یا اُسی درجے کی کوئی بلا اس پر آنے سے روک دیتا ہے، بشرطیکہ وہ کسی گناہ کی یا قطع رحمی کی دُعا نہ کرے۔'' اسی سے ملتا جلتا مضمون ایک دوسری حدیث میں ہے جو حضرت ابوسعید خُدریؓ نے حضورؐ سے روایت کی ہے۔ اُس میں آپؐ کا ارشاد یہ ہے کہ: ما من مسلم یدعو بدعوةٍ لیس فیھا اثم ولا قطیعة رحمٍ الا اعطاہ اللّٰہ احدٰی ثلث، اما ان یعجل لہ دعوتہ، واما ان یَدَّخِرھا لہٗ فی الاٰخرة واما ان یصرف عنہ من السوء مثلھا (مُسنَدِ احمد) ''ایک مسلمان جب بھی کوئی دُعا مانگتا ہے، بشرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں قبول فرماتا ہے: یا تو اس کی وہ دُعا اسی دنیا میں قبول کر لی جاتی ہے۔ یا اُسے آخرت میں اجر دینے کے لیے محفوظ رکھ لیا جاتا ہے۔ یا اُسی درجے کی کسی آفت کو اس پر آنے سے روک دیا جاتا ہے۔''

حضرت ابوہُریرہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت، ارحمنی ان شئت، ارزقنی ان شئت، وَلْیَعْزِم مسئلتہ۔ (بخاری) ''جب تم میں سے کوئی شخص دُعا مانگے تو یوں نہ کہے کہ خدایا! مجھے بخش دے اگر تو چاہے، مجھ پر رحم کر اگر تو چاہے، مجھے رزق دے اگر تُو چاہے، بلکہ اسے قطعیّت کے ساتھ کہنا چاہیے کہ خدایا! میری فُلاں حاجت پوری کر۔'' دوسری رِوایت حضرت ابوہریرہؓ ہی سے ان الفاظ میں آئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ادعوا اللّٰہ وانتم موقنون بالاجابة (تِرمذی) ''اللہ سے دعا مانگو، اس یقین کے ساتھ کہ وہ قبول فرمائے گا۔''

ایک اور رِوایَت میں حضرت ابوہُریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: یستجاب للعبد ما لم یدعُ باثم اوقطیعة رحم ما لم یستعجل، قیل یا رسول اللّٰہ ما الاستعجال؟ قال یقول قد دعوت وقد دعوت فلم اَرَ یُستجاب لی فیستحسر عند ذٰلك ویدع الدعاء (مسلم) ''بندے کی دعا قبول کی جاتی ہے بشرطیکہ وہ کسی گناہ کی یا قطع رحمی کی دُعا نہ کرے، اور جلد بازی سے کام نہ لے۔ عرض کیا گیا: جلد بازی کیا ہے یا رسول اللہ؟ فرمایا: جلد بازی یہ ہے کہ آدمی کہے: میں نے بہت دعا کی، بہت دعا کی، مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری دعا قبول ہی نہیں ہوتی، اور یہ کہہ کر آدمی تھک جائے اور دعا مانگنی چھوڑ دے۔''

دوسرے مضمون کو حسبِ ذیل احادیث واضح کرتی ہیں:

حضرت ابوہُریرہؓ کی رِوایَت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: لیس شیءٌ اکرم علی اللّٰہ من الدعاء۔ (تِرمذی، ابنِ ماجہ) ''اللہ کی نگاہ میں دُعا سے بڑھ کر کوئی چیز باوَقعت نہیں ہے۔''

QuranUrdu.com

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ ع

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمھارے لیے رات بنائی، تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو، اور دن کو روشن کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے، مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے[۸۵]۔ وہی اللہ (جس نے تمھارے لیے یہ کچھ کیا ہے) تمھارا رب ہے۔ ہر چیز کا خالق۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں[۸۶]۔

حضرت ابنِ مسعودؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: سلوا اللّٰہ من فضلہ فان اللّٰہ یحب ان یسأل (ترمذی) ''اللہ سے اس کا فضل مانگو، کیونکہ اللہ اِسے پسند فرماتا ہے کہ اُس سے مانگا جائے۔''

حضرت ابنِ عمرؓ اور حضرت مُعاذؓ بن جَبَل کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ان الدعاء ینفع ممّا نزل وممّا لم ینزل فعلیکم عباد اللّٰہ بالدعاء۔ (ترمذی، مُسندِ احمد) ''دعا بہرحال نافع ہے اُن بلاؤں کے معاملے میں بھی جو نازل ہو چکی ہیں اور اُن کے معاملے میں بھی جو نازل نہیں ہوئیں۔ پس اے بندگانِ خدا! تم ضرور دُعا مانگا کرو۔''

حضرت اَنَسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: یسأل احدکم ربّہ حاجتہٗ کلّہ حتّٰی یسأل شسع نعلہٖ اذا انقطع (ترمذی) ''تم میں سے ہر شخص کو اپنی ہر حاجت خدا سے مانگنی چاہیے، حتّٰی کہ اگر اس کی جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا سے دُعا کرے۔'' یعنی جو معاملات بظاہر آدمی کو اپنے اختیار میں محسوس ہوتے ہیں اُن میں بھی تدبیر کرنے سے پہلے اُسے خدا سے مدد مانگنی چاہیے، اس لیے کہ کسی معاملے میں بھی ہماری کوئی تدبیر خدا کی توفیق و تائید کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی، اور تدبیر سے پہلے دُعا کے معنٰی یہ ہیں کہ بندہ ہر وقت، اپنی عاجزی اور خدا کی بالادستی کا اعتراف کر رہا ہے۔

۸۵ - یہ آیت دو اہم مضامین پر مشتمل ہے: اوّلاً، اس میں رات اور دن کو دلیلِ توحید کے طور پر پیش کیا گیا ہے، کیونکہ اُن کا باقاعدگی کے ساتھ آنا یہ معنٰی رکھتا ہے کہ زمین اور سورج پر ایک ہی خدا حکومت کر رہا ہے، اور ان کے اُلٹ پھیر کا انسان اور دوسری مخلوقاتِ ارضی کے لیے نافع ہونا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ وہی ایک خدا اِن سب اشیا کا خالق بھی ہے اور اُس نے یہ نظام کمال درجہ حکمت کے ساتھ اس طرح بنایا ہے کہ وہ اس کی پیدا کردہ مخلوقات کے لیے نافع ہو۔ ثانیاً، اِس میں خدا کے منکر اور خدا کے ساتھ شرک کرنے والے انسانوں کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ خدا نے رات اور دن کی شکل میں یہ کتنی بڑی نعمت اُن کو عطا کی ہے، اور وہ کتنے سخت ناشکرے ہیں کہ اُس کی اِس نعمت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے شب و روز اُس سے غداری و بے وفائی کیے چلے جاتے ہیں۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: جلد دوم، یونُس، حاشیہ ۶۵۔ جلد سوم، الفرقان، حاشیہ ۷۷، النمل، حاشیہ ۱۰۴، القصص، حاشیہ ۹۱، الروم، حاشیہ ۳۶۔ جلد چہارم، لقمان، آیت ۲۹، حاشیہ ۵۰۔ یٰسین، آیت ۳۷، حاشیہ ۳۲)

QuranUrdu.com

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ
بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ

پھر تم کدھر سے بہکائے جا رہے ہو؟[87] اِسی طرح وہ سب لوگ بہکائے جاتے رہے ہیں جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔[88]

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا[89] اور اوپر آسمان کا گنبد بنا دیا۔[90] جس نے تمھاری صورت بنائی اور بڑی ہی عمدہ بنائی۔ جس نے تمھیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا۔[91]

---

۸۶ - یعنی رات اور دن کے اُلٹ پھیر نے ثابت کیا کہ وہی تمھارا اور ہر چیز کا خالق ہے۔ اور یہ اُلٹ پھیر تمھاری زندگی کے لیے جو عظیم فوائد و منافع اپنے اندر رکھتا ہے، اُس سے ثابت ہوا کہ وہ تمھارا نہایت مہربان پروردگار ہے۔ اس کے بعد لامحالہ یہ بات خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ تمھارا حقیقی معبُود بھی وہی ہے۔ یہ بات سراسر عقل اور انصاف کے خلاف ہے کہ خالق اور پروردگار تو ہو اللہ، اور تمھارے معبُود بن جائیں دوسرے۔

۸۷ - یعنی کون تم کو یہ اُلٹی پٹّی پڑھا رہا ہے کہ جو نہ خالق ہیں نہ پروردگار، وہ تمھاری عبادت کے مستحق ہیں۔

۸۸ - یعنی ہر زمانے میں عوام الناس صرف اس وجہ سے اِن بہکانے والوں کے فریب میں آتے رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے حقیقت سمجھانے کے لیے جو آیات نازل کیں، لوگوں نے ان کو نہ مانا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اُن خود غرض فریبیوں کے جال میں پھنس گئے جو اپنی دکان چمکانے کے لیے جعلی خداؤں کے آستانے بنائے بیٹھے تھے۔

۸۹ - تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: جلد سوم، النمل، حواشی ۷۴-۷۵۔

۹۰ - یعنی تمھیں کھلی فضا میں نہیں چھوڑ دیا گیا کہ عالَمِ بالا کی آفات بارش کی طرح برس کر تم کو تہس نہس کر دیں، بلکہ زمین کے اُوپر ایک نہایت مستحکم سماوی نظام (جو دیکھنے والی آنکھ کو گنبد کی طرح نظر آتا ہے) تعمیر کر دیا، جس سے گزر کر کوئی تباہ کُن چیز تم تک نہیں پہنچ سکتی، حتّٰی کہ آفاق کی مہلک شعاعیں تک نہیں پہنچ سکتیں، اور اسی وجہ سے تم امن و چین کے ساتھ زمین پر جی رہے ہو۔

۹۱ - یعنی تمھارے پیدا کرنے سے پہلے تمھارے لیے اس قدر محفوظ اور پُرامن جائے قرار مہیّا کی۔ پھر تمھیں پیدا کیا تو اس طرح کہ ایک بہترین جسم، نہایت موزوں اعضا اور نہایت اعلیٰ درجے کی جسمانی و ذہنی قوتوں کے ساتھ تم کو عطا کیا۔ یہ سیدھا قامت، یہ ہاتھ اور یہ پاؤں، یہ آنکھ ناک اور یہ کان، یہ بولتی ہوئی زبان اور بہترین صلاحیتوں کا مَخزَن دماغ تم خود بنا کر نہیں لے آئے تھے، نہ تمھاری ماں اور تمھارے باپ نے انھیں بنایا تھا، نہ کسی نبی یا ولی یا دیوتا میں یہ قدرت تھی کہ انھیں بناتا۔ ان کا

QuranUrdu.com

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾
قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا
جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾

وہی اللہ (جس کے یہ کام ہیں) تمھارا رب ہے۔ بے حساب برکتوں والا ہے وہ کائنات کا رب۔ وہی زندہ ہے[۹۲]۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُسی کو تم پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص[۹۳] کر کے۔ ساری تعریف اللہ ربّ العالمین ہی کے لیے ہے[۹۴]۔

اے نبیؐ! اِن لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے تو اُن ہستیوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو[۹۵]۔ (میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں) جب کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے بیِّنات آ چکی ہیں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ربّ العالمین کے آگے سرِ تسلیم خم کر دوں۔

بنانے والا وہ حکیم و رحیم قادرِ مُطلَق تھا جس نے انسان کو وجود میں لانے کا جب فیصلہ کیا تو اسے دُنیا میں کام کرنے کے لیے ایسا بے نظیر جسم دے کر پیدا کیا۔ پھر پیدا ہوتے ہی اس کی مہربانی سے تم نے اپنے لیے پاکیزہ رزق کا ایک وسیع خوانِ یَغُما بچھا ہوا پایا۔ کھانے اور پینے کا ایسا پاکیزہ سامان جو زہریلا نہیں بلکہ صحّت بخش ہے، کڑوا کَسیلا اور بدمزا نہیں بلکہ خوش ذائقہ ہے، سڑا بُسا اور بدبودار نہیں بلکہ خوش رائحہ ہے، بے جان پھوک نہیں بلکہ اُن حیاتینوں اور مفید غذائی مادّوں سے مالا مال ہے جو تمھارے جسم کی پرورش اور نَشْوونَما کے لیے موزوں ترین ہیں۔ یہ پانی، یہ غلّے، یہ ترکاریاں، یہ پھل، یہ دودھ، یہ شہد، یہ گوشت، یہ نمک مرچ اور مسالے، جو تمھارے تَغذیے کے لیے اس قدر موزوں اور تمھیں زندگی کی طاقت ہی نہیں، زندگی کا لُطف دینے کے لیے بھی اس قدر مناسب ہیں، آخر کس نے اس زمین پر اتنی اِفراط کے ساتھ مہیا کیے ہیں، اور کس نے یہ انتظام کیا ہے کہ غذا کے یہ بے حساب خزانے زمین سے پے در پے نکلتے چلے آئیں اور ان کی رسد کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے نہ پائے؟ یہ رزق کا انتظام نہ ہوتا اور بس تم پیدا کر دیے جاتے تو سوچو کہ تمھاری زندگی کا کیا رنگ ہوتا۔ کیا یہ اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ تمھارا پیدا کرنے والا محض خالق ہی نہیں بلکہ خالقِ حکیم اور ربِّ رحیم ہے؟ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: جلد دوم، ہود، حواشی ۶-۷۔ جلد سوم، النمل، حواشی ۷۳ تا ۸۳)

۹۲ - یعنی اصلی اور حقیقی زندگی اُسی کی ہے۔ اپنے بل پر آپ زندہ وہی ہے۔ اَزَلی و اَبَدی حیات اس کے سوا کسی کی بھی

QuranUrdu.com

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ
عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ
لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا
اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ

وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نُطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر وہ تمھیں بچّے کی شکل میں نکالتا ہے، پھر تمھیں بڑھاتا ہے تاکہ تم اپنی پوری طاقت کو پہنچ جاؤ، پھر اور بڑھاتا ہے تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو۔ اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بُلا لیا جاتا ہے[۹۶]۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ تم اپنے مقرر وقت تک پہنچ جاؤ[۹۷]، اور اس لیے کہ تم حقیقت کو سمجھو[۹۸]۔ وہی ہے زندگی دینے

نہیں ہے۔ باقی سب کی حیات عطائی ہے، عارضی ہے، موت آشنا اور فنا در آغوش ہے۔

۹۳ – تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد چہارم، الزُّمَر، حاشیہ ۳-۴۔

۹۴ – یعنی کوئی دوسرا نہیں ہے جس کی حمد وثنا کے گیت گائے جائیں اور جس کے شکرانے بجالائے جائیں۔

۹۵ – یہاں پھر عبادت اور دعا کو ہم معنٰی استعمال کیا گیا ہے۔

۹۶ – یعنی کوئی پیدا ہونے سے پہلے اور کوئی جوانی کو پہنچنے سے پہلے اور کوئی بڑھاپے کو پہنچنے سے پہلے مر جاتا ہے۔

۹۷ – وقتِ مقرر سے مراد یا تو موت کا وقت ہے، یا وہ وقت جب تمام انسانوں کو دوبارہ اُٹھ کر اپنے خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو زندگی کے مختلف مرحلوں سے گزارتا ہوا اُس ساعتِ خاص تک لے جاتا ہے جو اُس نے ہر ایک کی واپسی کے لیے مقرر کر رکھی ہے۔ اُس وقت سے پہلے ساری دنیا مل کر بھی کسی کو مارنا چاہے تو نہیں مار سکتی، اور وہ وقت آ جانے کے بعد دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی کسی کو زندہ رکھنے کی کوشش کریں تو کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ دوسرے معنٰی لینے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ ہنگامۂ ہستی اس لیے برپا نہیں کیا گیا ہے کہ تم مر کر مٹی میں مل جاؤ اور فنا ہو جاؤ، بلکہ زندگی کے اِن مختلف مرحلوں سے اللہ تم کو اس لیے گزارتا ہے کہ تم سب اُس وقت پر جو اس نے مقرر کر رکھا ہے، اُس کے سامنے حاضر ہو۔

۹۸ – یعنی زندگی کے ان مختلف مراحل سے تم کو اس لیے نہیں گزارا جاتا کہ تم جانوروں کی طرح جیو اور انھی کی طرح مر جاؤ، بلکہ اس لیے گزارا جاتا ہے کہ تم اس عقل سے کام لو جو اللہ نے تمھیں عطا کی ہے اور اُس نظام کو سمجھو جس میں خود تمھارے اپنے وجود

QuranUrdu.com

معانقة ۱۳

يُمِيتُ ۚ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٦٨﴾ ع

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ ۖ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ﴿٦٩﴾ ج

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ

والا، اور وہی موت دینے والا ہے۔ وہ جس بات کا بھی فیصلہ کرتا ہے، بس ایک حکم دیتا ہے کہ وہ ہو جائے، اور وہ ہو جاتی ہے۔ ع

۹۹

تم نے دیکھا اُن لوگوں کو جو اللہ کی آیات میں جھگڑے کرتے ہیں، کہاں سے وہ پھرائے جا رہے ہیں؟ یہ لوگ جو اِس کتاب کو اور اُن ساری کتابوں کو جھُٹلاتے ہیں جو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجی تھیں؟ ۱۰۰ عنقریب

پر یہ احوال گزرتے ہیں۔ زمین کے بے جان مادّوں میں زندگی جیسی عجیب وغریب چیز کا پیدا ہونا، پھر نُطفے کے ایک خُردبینی کیڑے سے انسان جیسی حیرت انگیز مخلوق کا وجود میں آنا، پھر ماں کے پیٹ میں استقرارِ حمل کے وقت سے وضعِ حمل تک اندر ہی اندر اُس کا اس طرح پرورش پانا کہ اُس کی جنس، اس کی شکل وصورت، اس کے جسم کی ساخت، اس کے ذہن کی خصوصیات، اور اس کی قوتیں اور صلاحیتیں سب کچھ وہیں متعیّن ہو جائیں اور ان کی تشکیل پر دنیا کی کوئی طاقت اثر انداز نہ ہو سکے، پھر یہ بات کہ جسے اِسقاطِ حمل کا شکار ہونا ہے اس کا اِسقاط ہی ہو کر رہتا ہے، جسے بچپن میں مرنا ہے وہ بچپن ہی میں مرتا ہے خواہ وہ کسی بادشاہ ہی کا بچہ کیوں نہ ہو، اور جسے جوانی یا بڑھاپے کی کسی عمر تک پہنچنا ہے وہ خطرناک سے خطرناک حالات سے گزر کر بھی، جن میں بظاہر موت یقینی ہونی چاہیے، اُس عمر کو پہنچ کر رہتا ہے، اور جسے عمر کے جس خاص مرحلے میں مرنا ہے اُس میں وہ دنیا کے کسی بہترین ہسپتال کے اندر بہترین ڈاکٹروں کے زیرِ علاج رہتے ہوئے بھی مر کر رہتا ہے، یہ ساری باتیں کیا اس حقیقت کی نشان دِہی نہیں کر رہی ہیں کہ ہماری اپنی حیات ومَمات کا سررِشتہ کسی قادرِ مُطلَق کے ہاتھ میں ہے؟ اور جب امرِ واقعہ یہی ہے کہ ایک قادرِ مُطلق ہماری موت وزِیست پر حکمراں ہے تو پھر کوئی نبی یا ولی یا فرشتہ یا ستارہ اور سیّارہ آخر کیسے ہماری بندگی وعبادت کا مستحق ہو گیا؟ کسی بندے کو یہ مَقام کب سے حاصل ہوا کہ ہم اس سے دعائیں مانگیں اور اپنی قسمت کے بننے اور بگڑنے کا مختار اُس کو مان لیں؟ اور کسی انسانی طاقت کا یہ منصب کیسے ہو گیا کہ ہم اس کے قانون اور اس کے امر ونہی اور اُس کے خود ساختہ حلال وحرام کی بے چُون وچَرا اطاعت کریں؟ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: جلد سوم، الحج، حاشیہ ۹)

۹۹ - مطلب یہ ہے کہ اُوپر والی تقریر کے بعد بھی کیا تمھاری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ اِن لوگوں کی غلط بینی اور غلط روی کا اصل سرچشمہ کہاں ہے اور کہاں سے ٹھوکر کھا کر یہ اس گمراہی کے گڑھے میں گرے ہیں؟ (واضح رہے کہ یہاں ''تم'' کا خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص مخاطب ہے جو ان آیات کو پڑھے یا سنے۔)

۱۰۰ - یہ ہے اُن کے ٹھوکر کھانے کی اصل وجہ۔ اُن کا قرآن کو اور اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کو نہ ماننا

QuranUrdu.com

يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۙ﴿۷۱﴾ فِي
الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ
تُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ
نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

انھیں معلوم ہو جائے گا جب طوق اُن کی گردنوں میں ہوں گے، اور زنجیریں، جن سے پکڑ کر وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرف کھینچے جائیں گے اور پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔[101] پھر اُن سے پوچھا جائے گا کہ اب کہاں ہیں اللہ کے سوا وہ دوسرے خدا جن کو تم شریک کرتے تھے؟[102] وہ جواب دیں گے: ”کھوئے گئے وہ ہم سے، بلکہ ہم اس سے پہلے کسی چیز کو نہ پکارتے تھے۔“[103] اِس طرح اللہ کافروں کا گمراہ ہونا مُتحقّق کر دے گا۔ اُن سے کہا جائے گا: ”یہ تمھارا انجام اِس لیے ہوا ہے کہ تم زمین میں غیرِ حق پر مگن تھے اور پھر اُس پر اِتراتے تھے۔[104] اب جاؤ، جہنّم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ تم کو وہیں رہنا ہے،

اور اللہ کی آیات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کے بجائے جھگڑالُو پن سے اُن کا مقابلہ کرنا، یہی وہ بنیادی سبب ہے جس نے اُن کو بھٹکا دیا ہے اور اُن کے لیے سیدھی راہ پر آنے کے سارے امکانات ختم کر دیے ہیں۔

۱۰۱ - یعنی جب وہ پیاس کی شدت سے مجبُور ہو کر پانی مانگیں گے تو دوزخ کے کارکن اُن کو زنجیروں سے کھینچتے ہوئے ایسے چشموں کی طرف لے جائیں گے جن سے کھولتا ہوا پانی نکل رہا ہو گا۔ اور پھر جب وہ اسے پی کر فارغ ہوں گے تو پھر وہ انھیں کھینچتے ہوئے واپس لے جائیں گے اور دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے۔

۱۰۲ - یعنی اگر وہ واقعی خدا یا خدائی میں شریک تھے، اور تم اِس اُمید پر ان کی عبادت کرتے تھے کہ وہ بُرے وقت پر تمھارے کام آئیں گے تو اب کیوں وہ آ کر تمھیں نہیں چھُڑاتے؟

۱۰۳ - یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم دنیا میں شرک نہیں کرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اب ہم پر یہ بات کُھل گئی ہے کہ ہم جنھیں دنیا میں پکارتے تھے، وہ کچھ بھی نہ تھے، ہیچ تھے، لاشَے تھے۔

QuranUrdu.com

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ
فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا
يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ
مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا
كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا

بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے متکبّرین کا۔'' پس اَے نبیؐ! صبر کرو،[105] اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اب خواہ ہم تمھارے سامنے ہی اِن کو اُن بُرے نتائج کا کوئی حصّہ دکھا دیں جن سے ہم اِنھیں ڈرا رہے ہیں، یا (اُس سے پہلے) تمھیں دنیا سے اٹھا لیں، پلٹ کر آنا تو اِنھیں ہماری ہی طرف ہے۔[106]

اے نبیؐ![107] تم سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں، جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تم کو بتائے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے۔ کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اِذن کے بغیر خود کوئی نشانی لے آتا۔[108] پھر جب

---

۱۰۴ - یعنی تم نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا کہ جو چیز حق نہ تھی اُس کی تم نے پیروی کی، بلکہ تم اُس غیرِ حق پر ایسے مگن رہے کہ جب حق تمھارے سامنے پیش کیا گیا تو تم نے اُس کی طرف التفات نہ کیا اور اُلٹے اپنی باطل پرستی پر اِتراتے رہے۔

۱۰۵ - یعنی جو لوگ جھگڑالو پَن سے تمھارا مقابلہ کر رہے ہیں اور ذلیل ہتھکنڈوں سے تمھیں نیچا دکھانا چاہتے ہیں، ان کی باتوں اور ان کی حرکتوں پر صبر کرو۔

۱۰۶ - یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر اُس شخص کو، جس نے تمھیں زَک دینے کی کوشش کی ہے، اِسی دنیا میں اور تمھاری زندگی ہی میں سزا دے دیں۔ یہاں کوئی سزا پائے یا نہ پائے، بہرحال وہ ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جاسکتا۔ مر کر تو اسے ہمارے پاس ہی آنا ہے۔ اُس وقت وہ اپنے کرتوتوں کی بھرپور سزا پالے گا۔

۱۰۷ - یہاں سے ایک اور موضوع شروع ہو رہا ہے۔ کفارِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ہم آپ کو اُس وقت تک خدا کا رسول نہیں مان سکتے جب تک آپ ہمارا منہ مانگا معجزہ ہمیں نہ دکھا دیں۔ آگے کی آیات میں ان کی اِسی بات کو نقل کیے بغیر اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔ (جس قسم کے معجزات کا وہ لوگ مطالبہ کرتے تھے ان کے چند نمونوں کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم، ہود، حاشیہ ۱۳، الحِجر، حواشی ۴-۵، بنی اسرائیل، حواشی ۱۰۵-۱۰۶-جلد سوم، الفرقان، حاشیہ ۳۳)

۱۰۸ - یعنی کسی نبی نے بھی کبھی اپنی مرضی سے کوئی معجزہ نہیں دکھایا ہے، اور نہ کوئی نبی خود معجزہ دکھانے پر قادر

QuranUrdu.com

ع ۸ ۱۰ ۱۳

جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ قُضِىَ بِالۡحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اَللّٰهُ الَّذِىۡ
جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَنۡعَامَ لِتَرۡكَبُوۡا مِنۡهَا وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَلَـكُمۡ فِيۡهَا
مَنَافِعُ وَلِتَبۡلُغُوۡا عَلَيۡهَا حَاجَةً فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَعَلَيۡهَا وَعَلَى الۡفُلۡكِ
تُحۡمَلُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَىَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنۡكِرُوۡنَ ﴿۸۱﴾

اللہ کا حکم آ گیا تو حق کے مطابق فیصلہ کر دیا گیا، اور اُس وقت غلط کار لوگ خسارے میں پڑ گئے۔[109] ع
اللہ ہی نے تمھارے لیے یہ مویشی جانور بنائے ہیں، تاکہ ان میں سے کسی پر تم سوار ہو اور کسی کا گوشت کھاؤ۔ ان کے اندر تمھارے لیے اور بھی بہت سے منافع ہیں۔ وہ اس کام بھی آتے ہیں کہ تمھارے دلوں میں جہاں جانے کی حاجت ہو، وہاں تم اُن پر پہنچ سکو۔ اُن پر بھی اور کشتیوں پر بھی تم سوار کیے جاتے ہو۔ اللہ اپنی یہ نشانیاں تمھیں دکھا رہا ہے، آخر تم اُس کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے۔[110]

تھا۔ معجزہ تو جب بھی کسی نبی کے ذریعے سے ظاہر ہوا ہے اُس وقت ظاہر ہوا ہے جب اللہ نے یہ چاہا کہ اس کے ہاتھ سے کوئی معجزہ کسی منکر قوم کو دکھایا جائے۔ یہ کفار کے مطالبے کا پہلا جواب ہے۔

۱۰۹ – یعنی معجزہ کبھی کھیل کے طور پر نہیں دکھایا گیا ہے۔ وہ تو ایک فیصلہ کُن چیز ہے۔ اُس کے ظاہر ہو جانے کے بعد جب کوئی قوم نہیں مانتی تو پھر اس کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے۔ تم محض تماش بینی کے شوق میں معجزے کا مطالبہ کر رہے ہو، مگر تمھیں اندازہ نہیں ہے کہ اس طرح دراصل تم خود تقاضے کر کر کے اپنی شامت بُلا رہے ہو۔ یہ کفار کے اس مطالبے کا دوسرا جواب ہے، اور اس کی تفصیلات اس سے پہلے قرآن میں متعدِّد مقامات پر گزر چکی ہیں۔ (ملاحظہ ہو: جلد دوم، الحِجر، حواشی، ۵-۳۰، بنی اسرائیل، حواشی ۶۸-۶۹۔ جلد سوم، الانبیاء، حواشی ۷-۸، الفرقان، حاشیہ ۳۳، الشعراء حاشیہ ۴۹)

۱۱۰ – مطلب یہ ہے کہ اگر تم محض تماشا دیکھنے اور دل بہلانے کے لیے معجزے کا مطالبہ نہیں کر رہے ہو، بلکہ تمھیں صرف یہ اطمینان کرنے کی ضرورت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن باتوں کو ماننے کی دعوت تمھیں دے رہے ہیں (یعنی توحید اور آخرت) وہ حق ہیں یا نہیں، تو اس کے لیے خدا کی یہ نشانیاں بہت کافی ہیں جو ہر وقت تمھارے مُشاہَدے اور تجرِبے میں آ رہی ہیں۔ حقیقت کو سمجھنے کے لیے اِن نشانیوں کے ہوتے کسی اور نشانی کی کیا حاجت رہ جاتی ہے۔ یہ معجزات کے مطالبے کا تیسرا جواب ہے۔ یہ جواب بھی اس سے پہلے متعدِّد مقامات پر قرآن میں دیا گیا ہے اور ہم اس کی تشریح اچھی طرح کر چکے ہیں۔ (مُلاحظہ ہو: جلد اوّل، الاَنعام، حواشی ۲۶-۲۷۔ جلد دوم، یونُس، حاشیہ ۱۰۵، الرعد، حواشی ۱۵ تا ۲۰۔ جلد سوم، الشعراء، حواشی ۳-۴-۵)

زمین پر جو جانور انسان کی خدمت کر رہے ہیں، خُصوصاً گائے، بیل، بھینس، بھیڑ، بکری، اُونٹ اور گھوڑے، اِن کو

QuranUrdu.com

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا

پھر کیا یہ[111] زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ اِن کو اُن لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ اِن سے تعداد میں زیادہ تھے، ان سے بڑھ کر طاقتور تھے، اور زمین میں اِن سے زیادہ شاندار آثار

بنانے والے نے ایسے نقشے پر بنایا ہے کہ یہ بآسانی انسان کے پالتو خادم بن جاتے ہیں، اور اِن سے اُس کی بے شمار ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ اِن پر سواری کرتا ہے۔ اِن سے بار برداری کا کام لیتا ہے۔ اِنھیں کھیتی باڑی کے کام میں استعمال کرتا ہے۔ اِن کا دودھ نکال کر اسے پیتا بھی ہے اور اس سے دہی، لسّی، مکھن، گھی، کھویا، پنیر، اور طرح طرح کی مٹھائیاں بناتا ہے۔ اِن کا گوشت کھاتا ہے۔ اِن کی چربی استعمال کرتا ہے۔ اِن کے اُون اور بال اور کھال اور آنتیں اور ہڈی اور خون اور گوبر، ہر چیز اُس کے کام آتی ہے۔ کیا یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کہ انسان کے خالق نے زمین پر اس کو پیدا کرنے سے بھی پہلے اُس کی اِن بے شمار ضروریات کو سامنے رکھ کر یہ جانور اِس خاص نقشے پر پیدا کر دیے تھے تاکہ وہ اُن سے فائدہ اٹھائے؟

پھر زمین کا تین چوتھائی حصّہ پانی سے لبریز ہے اور صرف ایک چوتھائی خشکی پر مشتمل ہے۔ خشک حصوں کے بھی بہت سے چھوٹے اور بڑے رقبے ایسے ہیں جن کے درمیان پانی حائل ہے۔ کُرۂ زمین کے اِن خشک علاقوں پر انسانی آبادیوں کا پھیلنا اور پھر اُن کے درمیان سفر و تجارت کے تعلقات کا قائم ہونا اِس کے بغیر ممکن نہ تھا کہ پانی اور سمندروں اور ہواؤں کو ایسے قوانین کا پابند بنایا جاتا جن کی بدولت جہاز رانی کی جا سکتی، اور زمین پر وہ سروسامان پیدا کیا جاتا جسے استعمال کر کے انسان جہاز سازی پر قادر ہوتا۔ کیا یہ اِس بات کی صریح علامت نہیں ہے کہ ایک ہی قادرِ مُطلَق ربِّ رحیم و حکیم ہے جس نے انسان اور زمین اور پانی اور سمندروں اور ہواؤں اور اُن تمام چیزوں کو جو زمین پر ہیں، اپنے خاص منصوبے کے مطابق بنایا ہے۔ بلکہ اگر انسان صرف جہاز رانی ہی کے نقطۂ نظر سے دیکھے تو اس میں تاروں کے مواقع اور سیّاروں کی باقاعدہ گردش سے جو مدد ملتی ہے وہ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ زمین ہی نہیں، آسمانوں کا خالق بھی وہی ایک ربِّ کریم ہے۔

اِس کے بعد اِس بات پر بھی غور کیجیے کہ جس خدائے حکیم نے اپنی اتنی بے شمار چیزیں انسان کے تصرُّف میں دی ہیں اور اس کے مفاد کے لیے یہ کچھ سروسامان فراہم کیا ہے، کیا بسلامتیِ ہوش و حواس آپ اس کے متعلق یہ گمان کر سکتے ہیں کہ وہ معاذ اللہ ایسا آنکھ کا اندھا اور گانٹھ کا پُورا ہوگا کہ وہ انسان کو یہ سب کچھ دے کر کبھی اس سے حساب نہ لے گا۔

۱۱۱ - یہ خاتمۂ کلام ہے۔ اِس حصّے کو پڑھتے وقت آیات ۴-۵ اور آیت ۲۱ پر ایک دفعہ پھر نگاہ ڈال لیں۔

QuranUrdu.com

فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ
اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ
فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع ۹

چھوڑ گئے ہیں۔ جو کچھ کمائی اُنھوں نے کی تھی، آخر وہ اُن کے کس کام آئی؟ جب ان کے رسول اُن کے پاس بیِّنات لے کر آئے تو وہ اُسی علم میں مگن رہے جو ان کے اپنے پاس[۱۱۲] تھا، اور پھر اُسی چیز کے پھیر میں آ گئے جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔ جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو پکار اُٹھے کہ ہم نے مان لیا اللہ وحدہٗ لاشریک کو، اور ہم انکار کرتے ہیں اُن سب معبُودوں کا جنھیں ہم شریک ٹھیراتے تھے۔ مگر ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان اُن کے لیے کچھ بھی نافع نہ ہوسکتا تھا، کیونکہ یہی اللہ کا مقرّر ضابطہ ہے، جو ہمیشہ اس کے بندوں میں جاری رہا ہے[۱۱۳]، اور اس وقت کافر لوگ خسارے میں پڑ گئے۔ ع

---

۱۱۲ - یعنی اپنے فلسفے اور سائنس، اپنے قانون، اپنے دُنیوی عُلوم، اور اپنے پیشواؤں کے گھڑے ہوئے مذہبی افسانوں (Mythology) اور دینیات (Theology) ہی کو انھوں نے اصل علم سمجھا، اور انبیا علیہم السلام کے لائے ہوئے علم کو ہیچ سمجھ کر اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔

۱۱۳ - یہ کہ توبہ اور ایمان بس اسی وقت تک نافع ہیں جب تک آدمی اللہ کے عذاب یا موت کی گرفت میں نہ آ جائے۔ عذاب آ جانے یا موت کے آثار شروع ہو جانے کے بعد ایمان لانا یا توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔